تنبیہات

برائے طلبہ

تجوید و قراءات

ابو الحسن اعظمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُّقْرَأَ الْقُرْاٰنُ کَمَا اُنْزِلَ (حدیث)
فَکُلُّ مَنْ جَوَّدَ جَوَّدَ عُقْبَاہُ

تنبیہات

برائے طلبۂ
تجوید وقراءات

مؤلف

ابوالحسن اعظمی

ناشر

مکتبہ صوت القرآن دیوبند ۲۴۷۵۵۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ن والقلم وما یسطرون

تفصیلات

نام کتاب

تنبیہات برائے طلبۂ تجوید وقراءات

مؤلف : ابوالحسن اعظمی

سن اشاعت : ۱۴۳۱ھ

ناشر : مکتبہ صوت القرآن، دیوبند

کمپیوٹر کتابت : عمر الٰہی

موبائل : 9358013409

بسم الله الرحمن الرحيم

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًاo(المدثر)

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّقْرَأَ الْقُرْاٰنُ كَمَا اُنْزِلَ(ح)

رُبَّ قَارٍى لِّلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ يَلْعَنُهُ(ح)

اِقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَب (ح)

والاخذ بالتجويدِ حتمٌ لازمٌ

من لم يجودِ القراٰنَ اٰثمٌ

لِانهٗ بــه الاله اَنز لَا

وهٰكذا منه الينا وصــلا (جزریؒ)

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
سرورق	۱	اقسام مخارج	۳۲
تفصیلات	۲	دانتوں کا بیان	۳۳
تبرکات	۳	دانتوں کا اور حلق وزبان کا نقشہ	۳۵
پیش لفظ	۵	مخارج اور ان کی تعداد	۳۶
علم تجوید کی تاریخی حیثیت	۶	مخارج کی اہمیت	۳۷
قرآن ترتیل سے پڑھنا	۷	ترتیب مخارج	۳۷
قرآن خوش آوازی سے پڑھنا	۹	حروف کے مخارج اور صفات کا نقشہ	۳۸
استعاذہ وبسملہ	۱۲	صفاتِ قویّہ وضعیفہ	۳۹
تلاوت، ادا اور قراءت	۲۰	حروف کی اقسام بہ اعتبار تعداد صفات	۳۹
قراءتِ قرآن کی کیفیت رفتار کے اعتبار سے	۲۰	بہ اعتبارِ قوت وضعف حروف کے اقسام	۳۹
تحقیق، ترتیل، تدویر، حدر	۱۹	حروف کی اقسام مخارج وصفات	
افضل کیا ہے؟	۲۴	کے اتحاد واختلاف اور قرب وبُعد	۴۱
تلاوت کے محاسن	۲۵	کے اعتبار سے	
تلاوت کے معائب	۲۷	حروف میں امتیاز	۴۲
سانس، آواز اور حروف	۲۹	تنبیہات	۴۵
حروف اصلیہ کی تعداد	۲۹	حروف مشددہ کی ادائیگی	۶۷
حروف اصلیہ وفرعیہ	۳۱	ادائیگیٔ تشدید میں مراتب	۶۸
حروف اصل ہیں یا حرکات	۳۱	حرکات الحروف فی نطق المجهول والمعروف	۶۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

زیرِ نظر اوراق میں طلبۂ تجوید و قراءت کے لئے صرف وہی مسائل پیش کئے گئے ہیں جو ان کے لئے اہم اور مفید ہوں، جن سے عام طور پر فی زمانہ اس فن کے طلبہ غفلت شعاریوں کے باعث بہت سے اہم اور ضروری امور کے شعور سے رہ جاتے ہیں۔ مخارج وصفات جو تجوید کی اساس اور اصل ہیں، عام طور پر رسائل میں ان کا بیان ہوتا ہے اور وہ یاد بھی کرائے جاتے ہیں، اس لئے اس کتاب میں ان کے تفصیلی بیان کے بجائے صرف ان کا ایک جامع نقشہ دیا گیا ہے۔

یہ واضح رہے کہ حرکات، حروف کے لئے لباس کا درجہ رکھتی ہیں۔ حروف کی طرح ان کی بھی صحیح ادائیگی ضروری ہے۔ آج کل محض سہولت پسندی کی وجہ سے حرکات کی معروف اور صحیح ادائیگی سے غفلت برتی جاتی ہے، اسے غیر اہم سمجھا جاتا ہے ـــــ اس لئے تجویدی مسائل کے بعد حرکات سے متعلق ایک مفصل تحریر پیش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے نافع بنائے۔ آمین

ابوالحسن اعظمی
دارالعلوم دیوبند
جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ

علم تجوید کی تاریخی حیثیت

اہلِ عرب چونکہ اہلِ زبان تھے، قرآن کریم انہیں کی زبان میں نازل ہوا تھا، اس لیے انہیں تلاوت و قرأت اور ادائیگی کما اُنزل میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی، لیکن جب اسلام کی دعوت عام ہوئی اور بیرونِ عرب تک پہنچی جسکے نتیجے میں فتوحات اسلامی کا دائرہ وسیع ہونے لگا تو اختلاطِ عرب وعجم سے عربیت کے صاف ستھرے اور خالص لب ولہجہ میں نوع بنوع کے نقائص پیدا ہونے لگے اس لیے اس زمانہ کے ائمہ اور ماہرین لغت، ابوالاسود دئلی، خلیل ابن احمد بصری، سیبویہ، اخفش، فرا اور الحق جرمی وغیرہ حضرات کو اندیشہ ہوا، انہوں نے بہ شدت محسوس کیا کہ —— صرف، نحو، اور لغت عربی حروف کے مخارج، صفات لازمہ و عارضہ، اظہار وادغام وغیرہ کی مکمل اور جامع تشریح کی جائے اور پیغمبر علیہ السلام کی تعلیم کی روشنی میں، حضرات صحابہ کرامؓ کے بتائے اور سکھائے ہوئے انداز اور ہدایت پر ایسے اصول و قواعد کی بنیاد رکھی جائے کہ عربی فصاحت اور طرزِ ادا عجمی اختلاط سے مجروح نہ ہو اور اس سے بلکلی محفوظ ہو جائے، چنانچہ مذکورہ بالا عنوانات پر مبسوط کتابیں تیار کی گئیں۔

مذکورہ حضرات جنہیں عام طور پر صرف، نحو اور لغت کا امام سمجھا جاتا ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تجوید کے امام اور علم تجوید کے بانی اور مدوّن بھی ہیں۔

قرآن ترتیل سے پڑھنا

قراءت وتلاوتِ قرآن میں ترتیل مسنون ہے۔

خود اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیلاً“ (المزمل)

ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قراءت کی تعریف اس طرح کی ہے کہ:

”آپ بڑی فصاحت کے ساتھ ایک ایک حرف نمایاں کرکے پڑھتے تھے۔“

حضرت قتادہ نے انس رضی اللہ عنہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قراءت کے سلسلے میں سوال کیا۔ حضرت انسؓ نے فرمایا:

” كَانَ ﷺ يَمُدُّ مَدًّا ، ثُمَّ قَرَأَ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم، يَمُدُّ بِسْمِ اللّٰهِ ، يَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ ،يَمُدُّ بِالرَّحِيْمِ (رواه البخاری)

”یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قراءت کششِ صوت کے ساتھ ہوتی تھی“

پھر انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پڑھ کر سنایا۔ اور اللہ، الرحمٰن، الرحیم سب کو مد کے ساتھ پڑھا (یعنی مد طبعی کو پورا ادا کیا۔

اور صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ان سے کسی شخص نے کہا:

”میں (قرآن کے حزب) مفصل کو ایک ہی رات میں پڑھتا ہوں“ ابنِ مسعودؓ نے فرمایا: کیا جس طرح اشعار کو جلد جلد پڑھا جاتا ہے: بیشک بہت سے لوگ ایسے ہیں جو قرآن کو پڑھتے ضرور ہیں مگر وہ ان کے گلے کی ہڈی سے نیچے نہیں اترتا۔ ہاں۔ کاش! اگر

قرآن دل میں اترتا اور اس میں جم جاتا تو مفید ہوتا۔

آجری کی شرح مہذب میں ہے کہ

وَاتَّفَقُوْا عَلٰی کَرَاهَةِ الاِسْرَاعِ۔

یعنی علماء نے بہت زیادہ تیزی کیساتھ پڑھنے کو بالاتفاق مکروہ قرار دیا ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

"لَاَنْ اَقْرَأُ سُوْرَةً اُرَتِّلُهَا اُحِبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ كُلَّهُ"

یعنی میرے لیے ایک سورة بالترتیل پڑھنا زیادہ پسندیدہ ہے اس سے کہ میں بغیر ترتیل کے پورا قرآن پڑھوں۔

ترتیل مستحب اس لیے ہے کہ قاری قرآن کریم کے معانی اور مطالب پر غور کرے، نیز ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے میں توقیر اور عظمت زیادہ ہے، اور تاثیر میں بھی اس کو زیادہ دخل ہے اسی لیے غیر عربی داں کے لیے بھی ترتیل سے پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے۔

محقق ابن الجزریؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ کم مقدار میں ترتیل کے ساتھ پڑھنا افضل ہے یا سرعت اور جلدی جلدی پڑھتے ہوئے زیادہ مقدار میں پڑھنا افضل ہے؟ بعض سرعت کے ساتھ تلاوت افضل سمجھتے ہیں، چونکہ تیز پڑھنے میں حروف و الفاظ زیادہ ہوں گے، اس میں ثواب کی زیادتی ہے، انہوں نے تائید وتمسک کیا ہے حضرت ابن مسعودؓ کی اس روایت سے:

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :مَنْ قَرَأَ حَرْفًا فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ والحسنةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا" الحديث . (رواه الترمذی)

یعنی ارشادِ رسالت ہے کہ جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھے گا اس کو اس حرف کے بدلے میں ایک ایسی نیکی ملے گی جو دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ (نشر ج:۱ ص:۲۰۸)

محقق نشر میں آگے فرماتے ہیں:

" والصحيح بل الصواب ما عليه معظم السلف و الخلف وهو اَنَّ

الترتيل و التدبر مع قلة القراءۃ افضل من السُرعة مع كثرتها ، لانّ المقصود من القرآن فهمه و التفقه فيه و العمل بهٖ و تلاوته و حفظه وسيلة الیٰ فهم معانيه "

یعنی..... صحیح بلکہ قطعی حق وصواب اور درست مذہب وہ ہے جس پر متقدمین اور متاخرین کا سوادِ اعظم اور ان کی ایک بہت بڑی جماعت قائم ہے، وہ یہ ہے کہ حدر و سُرعت، تیزی و روانی کے ساتھ کثرتِ تلاوت کے مقابلہ میں ترتیل و تدبر کے ساتھ — باوجود قلتِ قراءت افضل ہے، کیونکہ قرآن کا مقصود اصلی تو اس کا فہم، اس کے اندر تفقہ پیدا کرنا اور اس کے احکامات و بیانات پر عمل کرنا ہے، تلاوت وحفظ تو ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے ظہورِ معانی وفہم قرآن کا۔

ارشاد باری: "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ" (محمد آیت - ۲۴)

اور اس کی تائید میں حضرت ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرات سے متعدد نصوص بھی وارد ہیں۔ (نشرج:۱رص:۲۰۹)

ترتیل کا مکمل مرتبہ یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت اس کے مقامات کے نزول کے لحاظ سے کی جائے، یعنی جس مقام پر وعید اور خوف دلایا گیا ہے وہاں اسی طرح آواز میں بھاری پن پیدا کیا جائے اور جس جگہ تعظیم کا موقع ہو وہاں قاری کے لب ولہجہ میں عظمت وجلالت کا انداز مترشح ہونے لگے۔

خوش آوازی سے قرآن پڑھنا

علامہ نوویؒ "التبیان" میں فرماتے ہیں:

"اجمع العلماء رضی الله عنهم من السلف و الخلف من الصّحابة و التابعين و من بعدهم من علماء الامصار ائمة المسلمين علیٰ استحباب تحسين الصوت با لقرآن ، و اقوالهم و افعالهم مشهورة نهاية الشهرة " (ص: ۸۷)

یعنی صحابہؓ، تابعینؒ، اور ان کے بعد کے ائمہ مسلمین، تمام علماء سلف وخلف کا قرآن کو تحسین کے ساتھ پڑھنے پر اجماع ہے۔

اور تحسینِ صوت کے ساتھ قرآن کی تلاوت کے استحباب پر وارد احادیث بکثرت ہیں:
یہاں چند احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

عن البراء رضی اللّٰہ عنہ قال :
"سمعت رسول اللّٰہ ﷺ قر أ فی العشاء بالتین و الزّیتون فما سمعت احدًا احسن صوتًا منہ" (رواہ الشیخان)

یعنی براء ابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عشاء کی نماز میں پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو سورۂ والتین والزّیتون پڑھتے ہوئے سنا تو کسی کی آواز کو آپ سے بہتر نہیں سنا۔

"وعن ابی ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عن النبی ﷺ قال:
" مَا اَذِنَ (ای استمع) اللّٰہ لشیئٍ کما اَذِنَ لنبیٍّ حُسْنِ الصَّوْتِ یَتَغَنّٰی بِا لْقُرْاٰنَ یَجْھَرُ بِہٖ " (رواہ الشیخان)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی شیٔ کو اس طرح نہیں سنتا جس طرح کسی نبی کی اس عمدہ آواز کو سنتا ہے جو وہ قرآن کو بالجہر خوبصورت انداز میں پڑھتا ہے۔

وعن فضالۃ بن عبید ان البنی ﷺ قال : اَللّٰہُ اَشَدُّ اَذْنًا (ای استماعًا) للرجل الحسن الصّوت بِا لقراٰن مِنْ صَاحِبِ الْقَیْنَۃِ اِلٰی قَیْنَتِہٖ " وھی الامۃ التی تغنّی مو لا ھا. (رواہ الامام احمد و ابن ماجہ و ابن حبان و الحاکم و البیھقی)

یعنی فضالہ بن عبیدؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عمدہ آواز سے قرآن پاک پڑھنے والے کی طرف سننے میں اس آقا سے بھی زیادہ توجہ فرماتے ہیں جو اپنی گانے والی باندی سے بغور سنتا ہے۔ (قینہ اس باندی کو کہتے ہیں جو اپنے آقا کو گیت سنا رہی ہو)۔

وعن براء بن عازب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال ، قال رسول اللّٰہ ﷺ :
زَیِّنُوا القراٰنَ بِاصواتکم " (رواہ ابو داؤد ، و ابن ماجہ و النسائی)

یعنی حضرت براء ابن عازبؓ سے مروی ہے، انہوں نے پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد نقل کیا کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو۔

"وروی عن جابرؓ قال ، قال رسول ﷺ" اِنَّ مِنْ اَحسن النَّاسِ صوتاً یا لقراٰنَ الذی اذا استمعوہ یقرأ حسبتموہ لیخشی اللہ "(رواہ ابن ماجہ)

حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگوں میں نہایت عمدہ آواز سے پڑھنے والا وہ شخص ہے جس کو تم قرآن پاک پڑھتے ہوئے سنو تو محسوس کرو کہ اس کے دل میں اللہ کا خوف وخشیت ہے۔

"وروی عبد الرزاق فی جامعہ والضیاء عن انسؓ عن النبی ﷺ: لِکُلِّ شَیْءٍ حلیۃٌ وحلیۃُ القراٰنِ الصّوت الحسن۔"(کما فی الفتح الکبیر)

یعنی ہر چیز کے لئے ایک زیور ہے اور قرآن کا زیور عمدہ آواز ہے۔

"وروی الطبرانی عن ابن عباسؓ مرفوعاً" احسنوا الاصواتَ فی القراٰن۔" (کما فی الفتح الکبیر)

یعنی قرآن کی تلاوت میں آواز کو خوبصورت بناؤ۔

خطیبؒ نے حضرت معقل ابن یسار رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہیں سنتے روئے زمین میں سے کسی چیز کو مگر موذنین کی اذان، عمدہ آواز کی تلاوتِ قرآن کو۔

پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی عمدہ آواز کی وجہ سے ان الفاظ میں تعریف فرمائی۔

"لَقَدْ اُوْتِیتَ مِزْمَا رًا مِنْ مَّزَامِیرِ اٰلِ دَاوٗد "(متفق علیہ)

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نقل سے کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو فرماتے ہوئے سنا "حَسِّنُوْا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ یَزِیْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا" (رواہ الدارمی)

یعنی قرآن کو اپنی آوازوں سے خوبصورت بناؤ کیونکہ عمدہ آواز قرآن کے حسن کو بڑھا دیتی ہے۔

حضرت ابولبابہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں، میں نے پیغمبر ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:
"لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِا لْقُرْاٰنِ" (رواہ ابو داؤد)
یعنی وہ شخص ہمارے طریق پر نہیں ہے جو قرآن کو تغنی اور خوش آوازی سے نہ پڑھے۔

اوپر صرف احادیث وروایات پر اکتفاء کیا گیا ہے، نوویؒ فرماتے ہیں کہ ان روایات کے پیش نظر قراءت اور اس کی ترتیب میں تحسینِ صوت اور خوش آوازی مستحب ہے۔ (التبیان ص:٨٨)

حسبِ لیاقت واستطاعت عمدہ سے عمدہ آواز میں خوب بنا کر سنوار کر قرآن کریم کی تلاوت کرنی چاہیے، لیکن اسی کے ساتھ حدود وقیود کی پابندی اور ان کا لحاظ بھی بے حد ضروری ہے افراط وتفریط سے حروفِ قرآنی میں کمی وزیادتی نہ پیدا ہو جائے کیونکہ یہ بھی حرام ہے۔

استعاذہ وبسملہ

قرآن کریم کی تلاوت شروع کرتے وقت حسبِ ارشاد باری: " فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَا سْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ (نحل – ٩٨)

استعاذہ کرنا، استعاذہ عند الجمہور سنتِ مستحبہ ہے، نیز سنتِ عین ہے نہ کہ سنتِ کفایہ۔ (اتحاف ج:١ص:١٠٧)

استعاذہ ایسے کلماتِ دعائیہ کو کہتے ہیں جو تلاوتِ قرآن کے وقت پڑھے جاتے ہیں۔

صاحبِ خلاصۃ البیان فرماتے ہیں "وَالْاِسْتِعَاذَةُ عِندَنَا سُنَّةٌ مُسْتَحَبَّةٌ كَالْقِرَاءَ ةِ لِاَنَّهَا مِنْ اٰدَابِهَا"

تعوذ چونکہ بطورِ شرط مذکور ہے اور مشروط یعنی قراءتِ قرآن خود واجب نہیں ہے اس لیے استعاذہ بھی واجب نہیں اسے مستحب ہی کہنا بہتر ہے، بعض لوگوں نے ظاہرِ آیت کا لحاظ کرتے ہوئے واجب کہا ہے۔ (عطاءثوری)

استعاذہ کے الفاظ

نص مذکور (فَاِذَا قَرَأْتَ، الخ) کے ساتھ اکثر الفاظ کی موافقت، نیز روایات کی کثرت وشہرت کی بناء پر جمیع قراء کے نزدیک استعاذہ کے لیے مختار الفاظ "اَعُوْذُ بِا للّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" ہیں۔ علامہ

سخاویؒ نے جمال القراء میں ان الفاظ پر امت کا اجماع نقل کیا ہے، علامہ دانیؒ فرماتے ہیں: کہ حُذاق و ماہرین اہلِ ادا کے نزدیک صرف یہی الفاظ مروج و مستعمل ہیں' نیز فقہاء اربعہ سے بھی یہی ماخوذ ہے۔

محقق ابن الجزریؒ ان الفاظ کے بارے میں ''نشر'' (ج:۱ص:۲۴۳) میں چار احادیث نقل فرماتے ہیں۔

ازاں جملہ ایک حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔ فرماتے ہیں

''فَاِنِّیْ قَرَأْتُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ اَعُوْذُ بِا لسَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ فَقَالَ لِیْ یَا بْنُ اُمِّ عَبْدٍ ! قُلْ اَعُوْذُ بِا للّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ھٰکَذَا اَخَذْتُہٗ عَنْ جِبْرِیْلَ عَنْ مِیْکَائِیلَ عَنِ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ'' (نشر ج: ۱/ ۲۴۴)

یعنی میں نے آنحضور ﷺ کے روبرو اعوذ بالسمیع العلیم پڑھا تو آپ نے مجھے ارشاد فرمایا اے ابن امّ عبد! اعوذ با للہ من الشیطن الرجیم پڑھ، میں نے جبرئیل سے انہوں نے میکائیل سے انہوں نے لوح محفوظ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

اس سند کو محققؒ جید الاسناد فرماتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیتِ نحل چونکہ مجمل ہے اس لیے دوسری الفاظ سے بھی استعاذہ جائز ہے نیز ان میں کمی زیادتی کی اجازت ہے لیکن ان میں سے الفاظ مرویہ اولیٰ اور بہتر ہیں۔

استعاذہ کا محل اور موقع

استعاذہ کا محل اور مقام بالاتفاق قراءت سے پہلے ہے ''والذی اتفق علیہ الجمہور ، قدیمًا و حدیثًا اَنَّھَا قَبلَ القراءۃِ'' (اتحاف ج:۱ص:۱۰۷)

کسی معتبر عالم اور امام سے اس کے خلاف کوئی قول صحیح طور پر ثابت نہیں۔ (مزید تفصیلات الشفیہ العنبریہ کے مقدمہ میں دیکھئے)

استعاذہ بالجہر یا بالسرّ

استعاذہ کے سراً اور جہراً پڑھے جانے میں تین اقوال ہیں۔

(۱) مطلقاً بالجہر —— خواہ قراءت جہری ہو یا سری ہو۔

استعاذہ چونکہ شعارِ قراءت ہے جو اعلان کو مقتضی ہے، اس کے جہر سے مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید کا شعار ظاہر ہو، جس طرح عیدین میں تکبیر اور حج میں تلبیہ سے شعارِ اسلامی کا اظہار ہوتا ہے، نیز ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بصورتِ جہر سامع ابتداء ہی سے قراءت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، قراءت کا کوئی حصہ فوت نہیں ہوتا اور ارشاد باری "وَاِذَا قُرِیَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا" (اعراف آیت-۲۰۱)

ترجمہ:- اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو) (تا کہ اس کا معجزہ ہونا اور اس کی تعلیم کی خوبی سمجھ میں آئے) پر پورا عمل ہو جاتا ہے۔

اور قراءتِ سِرّیہ میں- چونکہ استعاذہ خارج عن القرآن اور غیر قرآن ہے اور غیر قرآن کو قرآن کے مشابہ نہ ہونا چاہیے تا کہ التباس بالقرآن نہ ہو، اس صورت میں استعاذہ کا جہر فارق بین القرآن ہوگا۔

(۲) مطلقاً بالسرّ ——— استعاذہ دعا ہے لہٰذا اسے ارشاد باری "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً" (اعراف آیت-۵۵)

ترجمہ: تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی۔

نیز "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ".

ترجمہ: اور آپ ہر ہر شخص سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ اے شخص اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ (اعراف آیت-۲۰۵) کی بناء پر آہستہ ہی پڑھنا چاہیے، نیز اس درجے کی بنا پر جس کا حاصل یہ ہے کہ دعاء سرّی کی فضیلت دعاء جہری پر ستر گنا ہے۔

(۳) تابع قراءت ——— یعنی اگر قراءت بالجہر ہو تو استعاذہ بھی بالجہر، ——— اس میں استعاذہ بالجہر والی دلیل جاری ہوگی اور اگر قراءت بالسرّ ہو تو استعاذہ بھی بالسرّ، اس میں استعاذہ بالسرّ والی دلیل جاری ہوگی۔

یہی اولیٰ، مختار، طرق کے موافق اور انسب العمل ہے۔

استعاذہ بالوصل یا بالفصل؟

اعوذ میں دو وجوہ ہیں ۔(۱) الرّجیم پر وقف (۲) الرّجیم کا آیت کے ساتھ وصل۔

لیکن ابتداء قراءت میں اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے کوئی نام ہو تو فصل بہتر ہے کیونکہ بصورتِ وصل ایہام مالایلیق لازم آتا ہے۔ اور اگر لفظ اللہ شروع قراءت میں ہو تو اگر چہ اسم ذات ہونے کی وجہ سے ایہام والتباس نہیں ہوتا لیکن سوئے ادبی پھر بھی ہے لہٰذا فصل ہی بہتر ہے۔

اور اگر استعاذہ کے ساتھ بسملہ (بسم اللہ الرحمن الرحیم) بھی پڑھا جائے تو چار وجوہ ہیں۔

(۱) فصلِ کل، (۲) وصلِ کل، (۳) فصل اول وصلِ ثانی، (۴) وصلِ اول فصل ثانی۔

اور اگر کسی آیت کے درمیان سے قراءت شروع کرنی ہو تو صرف اوّل اور چہارم دو ہی وجہ جائز ہیں، مذکورہ وجوہ اربعہ ''اتحاف البریۃ'' کے اس شعر میں درج ہیں ؎

وو قفٌ علیــــہ ثم وصــلٌ با ربع

لھم و استعذ ندبًا اَو اوُ جب و وُھّلا

استعاذہ بالسرّ کے متعلق اوپر جو تفصیلات درج ہوئیں وہ خارج عن الصلوٰۃ تلاوت سے متعلق ہیں۔ نماز کے اندر استعاذہ کا اخفاء مختار ہے، کیونکہ مقتدی تکبیر تحریمہ کے بعد سے خاموش ہے۔ (نشرج:۱/ص:۲۵۳)

نیز اس کے آہستہ پڑھنے پر اجماع ہے۔ (علی قاریؒ)

بسملہ اور اس کا محل

جس طرح شروع قراءت میں استعاذہ ضروی ہے اسی طرح جب تلاوت کا آغاز کسی سورت کے شروع سے ہو یا تلاوت کرتے کرتے کوئی دوسری سورت یا وہی سورت شروع ہوگئی تو چونکہ ہر سورت پر (سوائے سورۂ براءت کے) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مرسوم ہے —— اس لیے بالاتفاق بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے۔

اگر درمیان سورت سے تلاوت شروع کی تو تبرکاً نیز کل امرٍ ذی بالٍ لَم یُبدأ

ببسم اللہ الخ پر عمل کرتے ہوئے بسملہ پڑھنا مستحب ہے ضروری نہیں ۔ جوازِ بسملہ حدیثِ بسملہ سے ثابت ہے ۔ اور نہ پڑھنا اس لیے جائز ہے کہ درمیانِ سورۃ عندالقراء وجوباً بسملہ کا محل نہیں ۔ محقق جزریؒ فرماتے ہیں: ''وعلیٰ اختیار البسملة جمهور العراقیین و علیٰ اختیار عدمها جمهور مغاربة و اهل اندلس''

یعنی جمہور عراقیین کے نزدیک بسملہ مستحب ہے ۔ (نشرج:۱رص:۲۶۵)

قراءت اور سورۃ کی صورتیں

قراء اور سورۃ کی تقسیم سے عقلی وجوہ چار نکلتی ہیں ۔ (۱) شروع قراءت شروع سورت (۲) شروع سورت درمیان قراءت (۳) شروع قراءت درمیان سورت (۴) درمیان قراءت درمیان سورت ۔

موٴخر الذکر صورت خارج از بحث ہے کیونکہ اس میں استعاذہ اور بسملہ کی حاجت نہیں ۔

مذکورہ تینوں صورتوں کے احکام ۔

بسملہ کا وصل اور فصل

پہلی صورت میں وصل اور فصل کے لحاظ سے چار وجہیں نکلتی ہیں اور چاروں جائز ہیں ۔

(۱) وصل کل (۲) فصلِ کل (۳) وصلِ اول فصلِ ثانی (۴) فصلِ اول وصل ثانی ۔

دوسری صورت میں صرف بسملہ پڑھی جائے گی اور وصلِ اول فصلِ ثانی ناجائز ہے ۔ کیونکہ بسم اللہ کا تعلق شروع سورت سے ہے اور وصلِ اول فصلِ ثانی کی صورت میں بسم اللہ کا تعلق ختم ہونے والی سورت سے ظاہر ہوتا ہے ۔

بسملہ بین السورتین میں قراء کا اختلاف

کسی سورت کو ختم کر کے دوسری سورت (ماسوائے براۃ) شروع کردی جائے تو اس میں قراء کا حسبِ ذیل اختلاف ہے ۔

(۱) قالونؒ (اور اصبہانی) مکیؒ ، عاصمؒ ، کسائیؒ اور ابو جعفرؒ کے نزدیک بسملہ پڑھنا ضروری ہے ۔

(۲) حمزہ بسملہ کے بغیر وصل بین السورتین کرتے ہیں چنانچہ مصحفِ حمزہ میں ختم سورت پر علامت وصل لا لکھی ہوئی ہے۔

(۳) ورش (ازرق) بصری، شامی اور یعقوب کے لیے بسملہ بالخُلف مروی ہے یعنی ترک و اثبات دونوں جائز ہیں۔ بصورت ترک وصل و سکتہ دو وجہ مقرو ہیں۔ (کما قال ابو شامہ——مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ بسملہ بالخلف کا تعلق صرف ورش سے ہے)

تیسری صورت میں اگر استعاذہ کے ساتھ بسملہ بھی پڑھی جائے تو وصل اور فصل کی چاروں وجہیں جائز ہیں علامہ جزریؒ فرماتے ہیں:

"تجوز الاوجه الاربعة في البسملة مع الاستعاذة من الوصل بالاستعاذة والأية ، ومن قطعها عن الاستعاذة والأية، ومن قطعها عن الاستعاذة و وصلها با لأية و من عكسه" (نشر ج: ۱/ص: ۲۶۸)

لیکن بسم اللہ کا چونکہ یہ محل نہیں اس لیے اس کا آیت قرآنی سے فصل بہتر ہے اور وصلِ کل یا فصلِ اول وصلِ ثانی ناجائز ہے۔

سورۃ براءۃ پر ترک بسملہ

چونکہ سورۃ براءۃ پر بسم اللہ نہ تو مرسوم ہے اور نہ ہی کسی قاری سے مروی ہے اور یہ علم، علومِ نقلیہ میں سے ہے جس میں اتباعِ روایت و اثر ضروری ہے اس کے اندر قیاس و رائے کا کوئی دخل نہیں۔ چنانچہ علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

وما بقياس في القراءة مدخل ۞ فدونک ما فيه الرضا متكفلا

اس لیے سورۂ براءۃ پر کسی حال میں بسم اللہ نہیں ہے۔ خواہ اسی سے ابتداءِ قراءۃ ہو یا سورۂ انفال کے بعد اسے شروع کریں۔ ترک بسملہ علی البراءۃ میں کسی کا اختلاف نہیں۔ ابوالحسن بن غلبون، ابوالقاسم بن الفحام اور مکی وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (نشر ج:۱/ص:۲۶۴)

ترک بسملہ کی حکمت

سورۂ براءۃ پر ترک بسملہ کی دو حکمتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس سورۃ کا مبدأ آیاتِ غضب ہیں اور بسملہ

آیتِ رحمت اور آیتِ رحمت و غضب کا اجتماع مناسب نہیں ۔ دوسری یہ کہ دورِ صحابہ میں اس پر حتمی اور قطعی فیصلہ نہ ہو سکا کہ آیا سورۂ براءۃ مستقل بالذات ہے یا سورۂ انفال کا ایک جز اور حصہ ہے۔ چنانچہ بسم اللہ جو انفصال کی علامت ہے اس پر نہیں لکھی گئی۔ علامہ شاطبیؒ برءۃ پر ترکِ بسملہ کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

ومهما تصلها اور بدأتَ براءةً ❁ لِتنزيلها بالسيفِ لستَ مبسملا

صرف ابوالحسن السخاویؒ اور ابوعلی الحسن الاہوازیؒ (م ۴۴۶) جواز کے قائل ہیں۔

علامہ سخاویؒ دونوں حکمتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نزول بالسیف تو مخصوص ہے زمانے کے ساتھ ..... اور ہم تو تبرکاً بسم اللہ پڑھتے ہیں اور رہی مستقل بالذات سورت نہ ہونے کی بات تو آخر اجزاء اور اوساط میں تو بسملہ جائز ہے لہٰذا تسمیہ کے لیے منع نہیں۔

علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ یہ محض قیاسی ہے، نیز یہ اجماع، مصاحف اور ظاہر نصوص کے مخالف اور متصادم بھی ہے آگے چل کر اس طرح کے قیاس اور ایجاد سے پناہ مانگتے ہیں۔

اسی طرح امام اہوازی کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وماروا ه الاهوازى فى كتابه "الايضاح" عن ابى بكر من البسملة اوّلها فلا يصح ، والصحيح عند الائمة اولٰى بالا تباع ، و نعوذ با لله من شر الابتداع " (نشر ج: ۱/ ص: ۲۶۵)

البتہ وسطِ براءۃ عندالجمہور اوساط و اجزاءِ سُور کی طرح ہے۔

صرف علامہ ابواسحٰق الجعبریؒ اس بارے میں منفرد ہیں اور اوساطِ براءۃ میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ دونوں احتمالِ صواب رکھتا ہے بایں طور کہ جو لوگ (مثلاً مغاربہ) مطلقاً اجزائے سُور میں ترکِ بسملہ کے قائل ہیں ان کے نزدیک وسطِ براءۃ میں ترک پر کوئی اشکال نہ ہونا چاہیے اسی طرح ان کے مسلک پر بھی اشکال نہ ہونا چاہیے جو وسطِ سورۃ کو اوّل سورۃ کے تابع مانتے ہیں اور یہاں اوّلِ سورۃ پر بسملہ نہیں لہٰذا وسطِ براءۃ پر بھی نہ ہوگا۔ نیز جو حضرات وسطِ سورۃ میں بھی اس علت (یعنی نزول بالسیف) کا اثر باقی

مانتے ہیں جس کی وجہ سے آغاز میں بسملہ نہیں پڑھتے جیسے علامہ شاطبیؒ اور ان کی تبعین ——— ان پر بھی اشکال نہیں۔

اور جن لوگوں نے اوساط واجزاء میں علت کا اثر باقی نہیں مانا وہ بجا طور پر بسملہ پڑھ سکتے ہیں۔ علامہ شاطبیؒ ارشادِ باری اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اور اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ جیسی مثالوں میں استعاذہ کے ساتھ بسملہ پڑھنے کا حکم فرماتے تھے تاکہ صرف استعاذہ کے وصل کی وجہ سے معنوی بشاعت اور نکارت نہ لازم آئے۔ جزریؒ کہتے ہیں کہ اس قیاس کے اعتبار سے مناسب ہے کہ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ اور لَعَنَهُ اللّٰهُ وغیرہ میں اسی وجہ سے بسم اللہ پڑھنے سے منع کیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اوساطِ سُور میں جمہور اہل عراق کے نزدیک بسملہ اور جمہور مغاربہ کے نزدیک ترکِ بسملہ اور طبری وغیرہ کے نزدیک تخییر اور سبط الخیاط وغیرہ کی رائے پر وسطِ سورت اوّل سورت کے تابع ہے۔ اور علامہ شاطبیؒ کے نزدیک اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ جیسی مثالوں میاں اثباتِ بسملہ اور امام جزریؒ کے قول پر اس کے برعکس اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ جیسی مثالوں میں ترکِ بسملہ مختار ہے اس طرح کل چھ مذاہب ہوئے۔ (نشر: ج:۱رص:۲۶۶)

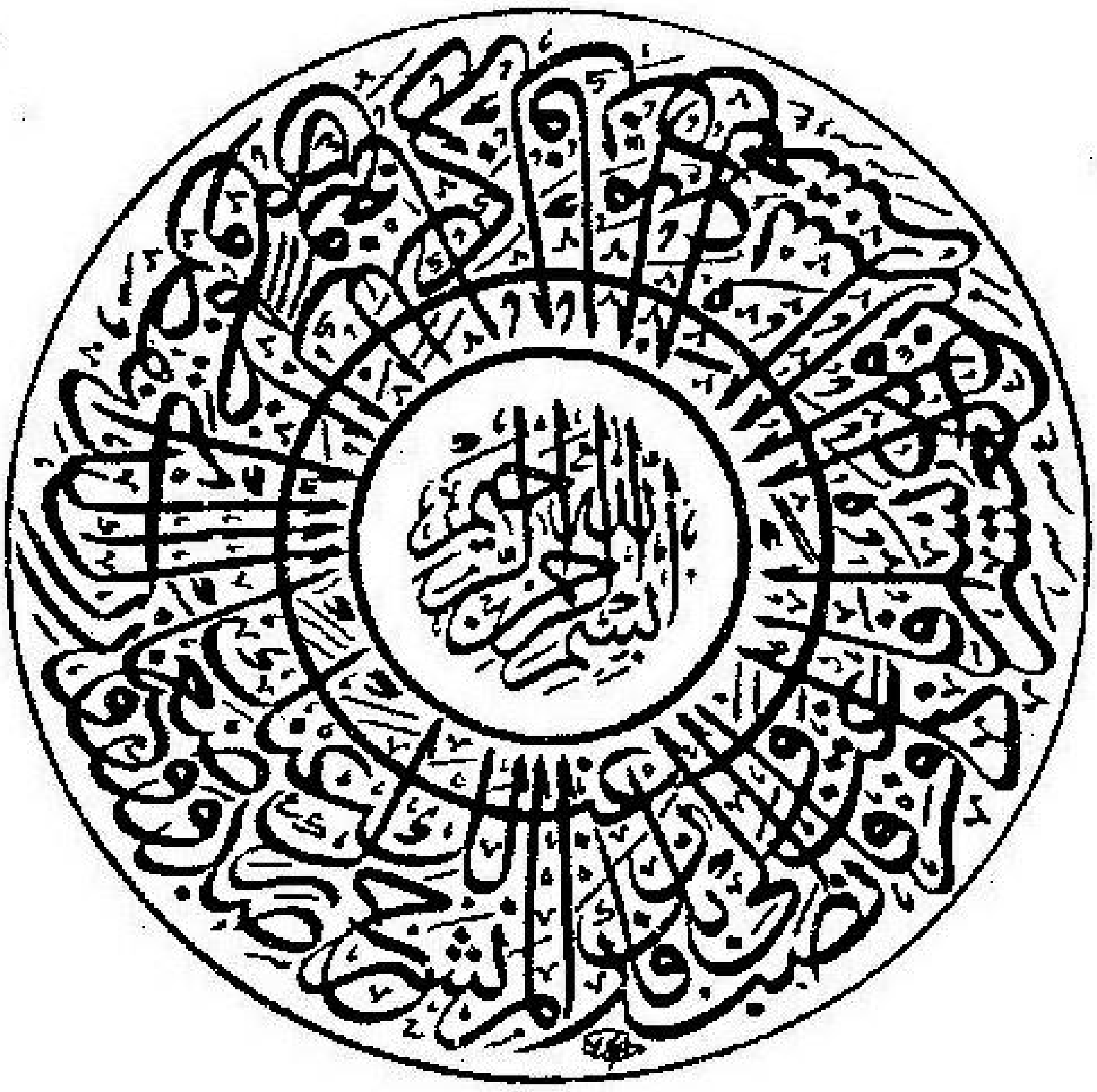

تضلیل کے، اور بعض صورتوں میں لفظ موضوع کا اہمال، جیسے ختف الخَتفة، بجائے خطف الخطفة کے ـــ ان دونوں صورتوں میں گناہ لازم ہے، اس سے بچنا فرض ہے۔

لحن خفی، یعنی چھوٹی اور پوشیدہ غلطی، جسے غیر مجوّد نہیں سمجھ پاتا۔ یہ صفاتِ محسّنہ، جیسے ادغام، اخفاء، قلب، مد، ترقیق، یا تفخیم اور تسہیل وغیرہ ..... کے ترک کر دینے یا بے موقع ادا کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ ایسی غلطی مکروہ ہے، مگر احتراز اور احتیاط اس سے بھی ضروری ہے، اس طرح کی غلطیوں سے اہل زبان سامع کو تنفُّر ہوتا ہے، ان خرابیوں کا وبال پڑھنے والے کی طرف رجوع ہوگا، اور سننے والے کی طرف بھی بشرطیکہ علم اور قدرت رکھتے ہوئے خاموش رہے۔

تلاوت، ادا، قراءت

قرأتِ مسلسل کا نام تلاوت ہے، جیسا کہ اہلِ اورادو وظائف کرتے ہیں۔ ادا، شیوخ سے اخذ و تعلیم کو کہتے ہیں، اور قرأت عام ہے، دونوں کو شامل ہے۔

پھر ادا یعنی اخذ عن الشیوخ کی دو قسمیں ہیں:

۱- استاذ پڑھے اور شاگرد سنے، یہ متقدمین کا طریق ہے،

۲- شاگرد پڑھے اور استاذ سنے۔ یہ متأخرین کا طریق ہے۔ بعض حضرات پہلے طریق کو بہتر کہتے ہیں اور بعض دوسرے کو ملاّ علی قاریؒ طریقِ ثانی کو اولیٰ اور اپنے زمانے کے لحاظ سے اقرب الی الحفظ قرار دیتے ہیں۔.... مگر بہتر دونوں طریق کو جمع کرنا ہے، اس طرح پر کہ پہلے استاذ پڑھے اور شاگرد کامل توجہ اور پوری یکسوئی سے سنے اس طرح کہ کیفیت ادا سے مکمل واقف ہو جائے، اس کے بعد پھر اسی طرح شاگرد پڑھے اور استاذ سنے اور جو کچھ قصور اور کمی ہو اس پر تنبیہ کر سکے محققین کا عمل اسی پر ہے

قرأتِ قرآن کی کیفیت رفتار کے اعتبار سے

قرآن کریم کو اپنی طاقت اور کوشش کے موافق ترتیل و تجوید اور حسنِ صوت کی رعایت کے ساتھ عرب کے لحون (قواعد اور اصول و طُرق) اور انکی آوازوں میں (۱) تحقیق (۲) ترتیل (۳) تدویر (۴) اور حدر سے پڑھنا۔ ان چاروں کی

کیفیات کی تفصیل یہ ہے،

(۱)**تحقیق**: یہ حققت الشیٔ تحقیقا کا مصدر ہے یعنی کسی چیز کو بغیر کسی زیادتی اور کمی کے پورے طور پر کما حقہ بجالانا۔ اور اس کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنا، اس کی حقیقت، ماہیت سے واقف ہوجانا۔ اور اس کی شان وحالت کی انتہاء تک پہونچ جانا۔

اور اہلِ ادا کے نزدیک اصطلاحی معنیٰ یہ ہیں:

تمام حروف کو انکے پورے حقوق سے بہرہ ور کرنا۔

یعنی....(۱) حسبِ قاعدہ مد میں اشباع (ودرازی) کرنا۔ (۲) ہمزوں کو بالتحقیق پڑھنا۔ (۳) اتمام الحرکات یعنی حرکات کو کامل ادا کرنا۔ (۴) اظہار وتشدید کو پورے اعتماد سے ادا کرنا۔ (۵) غنّات کو مکمل ادا کرنا۔ (۶) حروف کو سکون واطمینان اور ٹھہراؤ اور آسانی کے ساتھ باہم دگر جداگانہ، صاف اور واضح ادا کرنا۔ (۷) اوقاف کے مواقع کا لحاظ کرنا۔ اور اکثر وبیشتر تحقیق میں قصر واختلاس یا متحرک حرف کا ساکن کرنا یا اس کا ادغام کرنا یہ امور ثابت نہیں ہوتے۔

یہ تلاوت بالتحقیق زبان کی مشق وریاضت اور الفاظ کی تقویم اور درستگی اور غایتِ ترتیل کے ذریعہ تصحیحِ قرأت کیلئے ہوتی ہے۔ یہ طریقہ اور انداز تلاوت افراط وغلو کی حد تک تجاوز سے بچتے ہوئے متعلّمین کے لئے مستحسن اور مستحب ہے۔

احتیاط رہے کہ ساکن حرف متحرک نہ ہوجائے، حرکات کی ادائیگی میں حرف کی آواز نہ پیدا ہوجائے۔ راءات کو تکرار اور مکرر ہونے سے بچائیں۔ اور غنہ کی ادائیگی میں مبالغہ نہ ہو۔

چنانچہ امام المحقق حضرت حمزہ الزیّات نے اپنے تلامذہ کو غنات کی ادائیگی میں مبالغہ کرتے ہوئے سنا تو ان سے فرمایا: **اما علمت ان ما کان فوق الجعو دة فهو قطط، وماکان فوق البیاض فهو برص وما کا ن فوق القرأة (المعتدلة فلیس بقرأةٍ**،، (النشر، ج ا ص: ۲۰۵-۲۰۶)

یعنی: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ زلفوں میں حد سے زیادہ پیچ وخم، قطط یعنی الجھے بال

کہلاتے ہیں۔اور جسم پر سفیدی حد سے زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ برص (مرض) ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو قرأت اصول وقواعد میں اعتدال سے باہر ہو جائے تو وہ کامل قرأت نہیں رہ جاتی۔

یہ تحقیق ،ترتیل کی ایک نوع ہے۔اور تحقیق ان سات حضرات کا مذہب ہے۔

(۱)امام حمزہ،(۲) ورشؒ کا،ماسوائے اصبہانی دیگر طُرق سے۔(۳) کسائی ،بطریق قتیبہ۔ (۴)ابوبکر بطریق اعشیٰ،(۵) حفصؒ کا اُشنانی کے بعض طرق سے(۶) ہشام کا،حلوانی سے اہل مصر کے بعض طرق سے۔(۷) ابن ذکوان کا اخفشؒ سے اکثر اہل عراق کے طرق سے۔

محقق ابن الجزریؒ نے اس طریق تحقیق کی مکمل سند بیان کی ہے،جس کی سند مستقیم اور درست ہے،علامہ دانیؒ اس سلسلہ حدیث کو قرأت تحقیق اور اتقان وتجوید کے وجوبِ تعلُّم کے بارے میں اصلِ کبیر، بڑی مضبوط بنیاد قرار دیتے ہیں۔کیونکہ اس کی سند متصل ہے،اور ناقلین عادل وثقہ ہیں۔(نشرج ا ص ۲۰۶)

(۲)**ترتیل** :ترتیل..... یہ لفظ ''رتّل فلانٌ کلامه'' کا مصدر ہے،......یعنی اُس نے اپنی گفتگو کو اچھی طرح ترتیب دیا،اور بغیر عجلت کے نہایت اطمینان وسکون،ٹھہراؤ اور سمجھ داری کے ساتھ صاف صاف ادا کیا۔قرآن کریم اسی طرح ترتیل کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:ورتّلنٰه ترتیلاً(فرقان ۳۲)سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ''اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ قرآن اسی طرح پڑھا جائے جس طرح نازل کیا گیا ہے،(روایت ماسبق میں گزری)

آیتِ ترتیل میں لفظ رتّل کا معنیٰ ہے:خوب صاف صاف پڑھئے(ابن عباسؓ) قرآن مجید کے پڑھنے میں سکون واطمینان اختیار کریں۔(مجاہد) قرآن کے ایک ایک حرف کو صفائی سے پڑھئے۔(ضحاک)

پیغمبر علیہ السلام قرآن کی تلاوت اسی طرح فرماتے تھے جس طرح ترتیل کے ساتھ نازل ہوا،آپ کی قراءت کا انداز، جامع ترمذی،نسائی،ابن ماجہ اور بخاری شریف وغیرہ کتب حدیث میں واضح طور پر مذکور ہے۔

تحقیق وترتیل میں یہ فرق ہے کہ..... تحقیق ریاضت وتعلیم اور تمرین ومشق وتصحیح ہی کے لئے ہوتی ہے۔اور ترتیل..... تدبُّر وتفکّر اور استنباط کے لئے بھی ہوتی ہے، یعنی تحقیق وترتیل میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، ہر تحقیق تو ترتیل ہے، لیکن ہر ترتیل تحقیق نہیں۔ یہ نوع بھی مذکورہ ائمہ کا مذہب ہے۔

(۳) **تدویر**: تدویر کا معنیٰ ہے پھرانا، چلانا، غور کرنا، اصطلاحی معنیٰ ہے درمیانی انداز سے پڑھنا، پڑھنے میں میانہ روی اختیار کرنا، نہ بہت ٹھہر ٹھہر کر اور نہ بہت عجلت اور جلدی پڑھنا۔

یہ نوع ان حضرات ائمہ سے وارد ہوئی ہے جو منفصل میں اشباع اور بحدّ طول مد نہیں کرتے، بلکہ قصر وطول کے مابین مقدار اختیار کرتے ہیں۔ یہ نوع باقی ائمہ کا پسندیدہ ہے۔اور اکثر اہل ادا کے نزدیک مختار ہے۔

(۴) **حدر**: یہ حدر (بفتح الدال) یحدُرُ (بضم الدال) کا مصدر ہے،اس نے جلدی کی۔ حَدُر اور حُدور بمعنیٰ اترنا، کیونکہ اِسراع اور جلدی کرنا اس کے لوازم میں سے ہے بخلاف صعود، اوپر چڑھنے کے، کہ اس میں تاخیر ہوتی ہے۔

اصطلاحِ قرءت میں حَدْر کا معنیٰ ہے، اِدْراج وسُرعت اور تیزی وروانی سے قراءت کرنا، تجوید وقراءت کے تمام احکام کی ادائیگی میں عجلت کرنا اور وقف کے بجائے وصل کو ترجیح دینا، یعنی سانس بھر پڑھنا، چھوٹی آیات وعلامات وقف پر وصل کرتے ہوئے پڑھنا —— مگر اس طرح کہ حروف بخوبی واضح اور ظاہر ہوں، ایک دوسرے میں مخلوط نہ ہو جائیں۔

خوب واضح رہے کہ تجوید کے قواعد کی پوری پوری رعایت مذکورہ چاروں انواع میں ضروری ہے۔

حَدْراً تلاوت کے دو مقاصد ہیں: (۱) تکثیر حسنات، یعنی کم وقت میں زیادہ نیکیاں اور ثواب حاصل کرنا۔ (۲) کثرت تلاوت کی فضیلت حاصل کرنا۔

یہ نوعِ حَدْر امام ابن کثیر مکیؒ، ابو جعفرؒ، اور وہ تمام حضرات جو مد منفصل میں قصر کرتے ہیں جیسے امام ابو عمروؒ بصری، امام یعقوب حضرمیؒ، قالونؒ، ورشؒ بطریقِ اصبہانی، حفصؒ

بطریق ولی، ہشامؒ بطریق اکثر اہل عراق عن الحلوانیؒ۔

افضل کون ہے؟ انواع ترتیل وحدر میں افضل ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات حدر اور سرعت سے پڑھنے کو افضل قرار دیتے ہیں، کہ اس طرح مقدار تلاوت کی کثرت سے ثواب وحسنات زیادہ حاصل ہونگی، یہ حضرات سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے تائید وتمسک حاصل کیا ہے۔

"**قال رسول الله ﷺ، من قرأ حرفا من کتاب الله فلهٗ به حسنة ، والحسنة بعشر امثالها الخ**"(رواه الترمذی و صححهٗ)

"**و رواه غیرهٗ بکل حرف عشر حسنات**"

یعنی ارشاد فرمایا پیغمبر علیہ السلام نے کہ جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھے گا اس کو اس حرف کے بدلے میں ایک نیکی ایسی ملے گی جو دس نیکیوں کے برابر ہوگی —— ترمذی کے علاوہ دیگر حضرات نے اس طرح روایت کی ہے کہ ان کو ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی، کثرت تلاوت کے سلسلے میں اسلاف کرام سے بہت سے آثار بیان کیے گئے ہیں۔

مگر صحیح، قطعی اور حق وثواب مذہب یہ ہے کہ حدراً اور کثرتِ تلاوت کے مقابلہ میں ترتیلاً وتدبراً، باوجود قلّتِ تلاوت کے افضل واولیٰ ہے۔

کیونکہ قرآن کریم کا مقصود اصلی، اس کا فہم ہے، اس میں تدبّر وتفکر اور تفقُّہ ہے، اس کے احکام وبیانات پر عمل کرنا ہے، تلاوت وحفظ تو ظہورِ معانی اور فہمِ قرآن کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

حضرت ابن مسعود وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بصراحت، منصوص ہو کر مروی ہے، متقدمین اور متاخرین کا سوادِ اعظم اسی پر ہے۔

بعض حضرات ائمہ فرماتے ہیں کہ کثرتِ تلاوت کا ثواب مقدار وتعداد میں اکثر ہے، مگر نہایت عمدہ اور خوب تر قول یہ ہے کہ قرأت مع الترتیل والتدبُّر کا ثواب رتبہ اور شان میں جلیل القدر وعظیم الشان ہے۔

پہلے قول کی مثال اس شخص کی ہے جس نے بہت سے دراہم کا صدقہ کیا، یا چند ایسے غلاموں کو آزاد کیا جو کم قیمت اور سستے ہیں۔ دوسرے قول کی مثال اس شخص کی ہے جس نے صرف ایک نہایت عظیم الشان اور بلند مرتبہ جوہر (موتی) کا صدقہ کیا، یا ایک بیش قیمت اور نہایت نفیس غلام آزاد کیا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ:

واضح رہے کہ ترتیل، محض تدبُّر و تفکر کی غرض سے نہیں، بلکہ مطلقاً ہر حال میں مستحب و محمود ہے، کیونکہ عجمی شخص، غیر عربی داں جو قرآن کریم کے معانی نہیں سمجھتا اس کے لئے بھی اپنی قرأت میں ترتیل، اطمینان، سکون و ٹھہراؤ کا لحاظ رکھنا، مستحب و مستحسن ہے۔ کیونکہ حَدَر کے مقابلے میں ترتیل و سکون اور ٹھہراؤ سے پڑھنا اقرب الی التوقیر والاحترام ہے اور دل میں تأثیر کے اعتبار سے اشد اور قوی تر ہے۔

تلاوت کے محاسن

(۱) ترتیل ـــــ یعنی ٹھہر ٹھہر کر تمام قواعد کی رعایت کے ساتھ پڑھنا۔

(۲) تجوید ـــــ یعنی صحیح عربی مخارج سے مع جمیع صفات لازمہ وعارضہ ادا کرنا۔

(۳) تبیین ـــــ یعنی ہر حرف کو خوب واضح اور صاف ادا کرنا۔

(۴) ترسیل ـــــ ہر حرف کو پورا پورا کماحقہٗ ادا کرنا۔

(۵) توقیر ـــــ مناسب خشوع وخضوع اور وقار کے ساتھ پڑھنا۔

(۶) تحسین ـــــ عربی لہجہ کے موافق قواعد تجوید کی رعایت کیساتھ خوش آوازی سے پڑھنا۔

واضح ہو کہ محض تحسینِ صوت، خوش آوازی اور لہجے ہی کو اصل تجوید نہ سمجھیں، حدیث اِقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَ اَصْوَاتِهَا (رواہ البیهقی) نیز، زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ (رواہ احمد و ابو داؤد وغیرہ) میں اِقْرَءُ وا، اور زَیِّنُوْا، صیغۂ امر ضرور ہیں، لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ لحون اور لہجے سے مراد آج کل کے مروّجہ لہجے جس میں بے قید اتار چڑھاؤ ہوتا ہے نہیں ہیں۔ کیونکہ اس سے تکلیف مالا یطاق لازم آتا ہے، کیونکہ لہجہ وہی شخص

سیکھ سکتا ہے جس کے اندر نقالی کی قوت بدرجۂ اتم یا ایک معتد بہ مقدار میں پائی جاتی ہو، اور ایسے لوگ خال خال اور بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا، اور یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ، اور وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ——— اس طرح کی واضح نصوص ہیں پھر شریعت مطہرہ ایسے امر کو واجب قرار دے جس کی بجا آوری اکثروں کی قوت سے باہر ہو؟

پس لحون عرب سے مراد طرزِ طبعی ہے، بیان اوپر گذرا۔ الغرض تحسینِ صوت اور خوش آوازی اسی حد تک مطلوب ہے جس میں تجوید کی مکمل رعایت ہو۔ اور یہ دونوں چیزیں محال نہیں ہیں۔ دونوں جمع ہوسکتی ہیں، چنانچہ سلف میں ایسے ماہر خدام قرآن گذرے ہیں جو اس دولت سے مالا مال تھے۔

الامام تقی الدین الصائغ مصریؒ کا واقعہ ہے، آپ ایک روز نماز فجر میں آیت "وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَالِیَ لَا اَرَی الْهُدْهُدَ" مکرر پڑھا، اس دوران میں ایک چڑیا قراءت سننے کے شوق میں شیخ کے اوپر اتری، نماز مکمل کر کے شیخ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہ ہُدہُد تھا۔

صاحب "اَلْمُبْهِج" سبط الخیاطؒ کو اللہ تعالیٰ نے فن تجوید میں ایسا حظ وافر عطا فرمایا تھا کہ ان کی قراءت اور ان کے حسن صوت سے متاثر ہو کر یہود و نصاریٰ کی ایک جماعت نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا۔

آج بھی تلاش کرنے سے ایسے بہت سے حضرات مل جائیں گے جو اگر ایک طرف خوش آواز ہیں تو اسی کے ساتھ فن پر قابو یاب اور مہارت تامہ رکھنے والے ہیں۔

فن پر قابو اور مہارت کس طرح حاصل ہوتی ہے، محقق ابن الجزریؒ نے اس سلسلے میں "النشر" کے اندر علامہ دانیؒ کا قول نقل کیا ہے وہ یہ ہے:

"لَیْسَ بَیْنَ التَّجْوِیْدِ وَ تَرْکِهٖ اِلَّا رِیَاضَةٌ لِّمَنْ تَدَبَّرَهٗ بِفَکِّهٖ" الخ اس کو مقدمہ میں بھی محقق نے منظوم کیا ہے، یعنی تجوید اور ترکِ تجوید میں فرق صرف اتنا ہے کہ جو شخص تجوید کی اہمیت کو سمجھ لیتا ہے، اپنے منھ سے ریاضت، مشق اور تمرین کرتا ہے، یعنی

تجوید کا کمال ریاضت اور مشق پر موقوف ہے۔اس کی مثال کتابت کی ہے کہ جو جتنی مشق کرلیتا ہے اتنا ہی عمدہ لکھنے لگتا ہے، خوش نویسی کے سلسلے میں جس طرح یہ شعر مشہور ہے:

گر تو میخواہی کہ باشی خوش نویس ❁ می نویس ومی نویس ومی نویس

اسی طرح تجوید میں مہارت کے لیے ذرا ترمیم کر کے سمجھ لیجئے کہ

گر تو میخواہی کہ باشی خوش ادا ❁ کن ادا ، بس کن ادا ، بس کن ادا

یہ مشق ومہارت ترتیل کی طرح حَدْر میں بھی ہونی چاہیے۔ ماہر تجوید کی پہچان یہ ہے کہ بے تکلف ادائیگی کا وہی معیار حدر میں بھی رہے جو ترتیل میں ہوتا ہے۔

تلاوت کے معائب

چند معائب تلاوت ذکر کیے جاتے ہیں جن سے احتراز ضروری ہے۔

(۱) **تمطیط** :——ترتیل میں حد سے زیادہ تاخیر کرنا، اسے تطویل بھی کہتے ہیں، یہ مکروہ ہے۔

(۲) **تخلیط**:——حَدْر میں اتنی جلدی کرنا کہ حروف باہم مل کر گڈمڈ ہو جائیں۔ اسے اِدْماج بھی کہتے ہیں، یہ حرام ہے۔

افراط وتفریط سے احتراز ضروری ہے کیونکہ قراءت مثل خالص سفیدی کے ہے، اگر کمی ہوئی تو اسے گندم گونی کہا جائے گا اور حد سے زیادہ ہوئی تو برص بن جاتی ہے جو ایک مرض ہے۔ (ماسبق میں گذرا)

(۳) **ترقیص**:—— آواز کو نچانا، اونچی نیچی کرنا، اگر یہ زیادہ نہیں، حد کے اندر ہے تو مکروہ ہے، ورنہ حرام ہے۔

(۴) **ترعید** :—— آواز میں کپکپی پیدا کرنا، جیسا کہ ٹھنڈک لگنے سے یا کسی تکلیف میں پیدا ہوتی ہے۔

(۵) **تطریب**:——آواز میں ترنم پیدا کرنا، اور بغیر مد کے، مد کرنا۔ اور مد کی جگہ مد نہ کرنا اور قرآن کو بطور گانے کے پڑھنا اِسے زمزمہ بھی کہتے ہیں۔ یہ حرام ہے۔

(۶) **تحزین** :—— طبعی اور جبلی آواز کو چھوڑ کر رونے کی طرح غمگین آواز بنانا۔ یہ بھی ممنوع ہے کیونکہ اس میں ریاء ہے۔

(۷) **تقطیع** :—— کاٹ کاٹ کر پڑھنا، ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے ملا کر پڑھنا۔ ایسا باہم آوازیں ملا کر خوبصورت بنانے کے لیے کرتے ہیں، یہ بھی حرام ہے۔

(۸) **تنفیش**:—— حرکات کو ناقص ادا کرنا، یہ مکروہ ہے۔

(۹) **تمضیغ** :—— حرف کو چبا چبا کر ادا کرنا، یہ مکروہ ہے۔

(۱۰) **تطنین** —— آواز کو گنگنی بنانا اور ہر حرف میں آواز ناک میں پہنچانا، یہ اگر طبعی ہے تو مکروہ، ورنہ حرام ہے۔

(۱۱) **تھمیز** :—— ہر حرف میں ہمزہ ملا دینا، یہ حرام ہے۔

(۱۲) **تعویق** :—— وسط کلمہ پر وقف کر کے مابعد سے ابتدا کرنا، یہ حرام ہے۔

(۱۳) **عنعنہ** :—— حرف کے ساتھ عین کی آواز ملا دینا۔

(۱۴) **ھمھمہ** :—— مخفف کو مشدّد کرنا، یہ سب حرام اور ممنوع ہیں، وغیرہ وغیرہ

(مزید تفصیل کے لیے دیکھئے نہایہ)

ضیاء الارشاد
فی
تحقیق الظاء والضاد

سانس، آواز اور حروف

سانس سانس وہ ہوا ہے جو ہر ذی روح اور جاندار کے اندرونی حصہ (سینہ) سے بلا ارادہ، طبعی طور پر نکلے، یہ سنائی نہیں دیتی۔

آواز اس ہوا کا نام ہے جو بالارادہ نکلے اور تصادمِ جسمین (دو جسموں کے ٹکراؤ) کے سبب اس کے اندر تموّج اور بلندی کی کیفیت بھی پیدا ہو جائے، آواز سنائی دیتی ہے۔

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ آواز اس کیفیت کا نام ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتی ہے، تصادمِ جسمین وغیرہ کا دخل نہیں، یہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں۔ لیکن عادت اللہ یہ جاری ہے کہ وجودِ اشیاء کو کسی سبب اور ذریعہ کے ساتھ معلق کر دیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ قادر ہیں کہ کھائے پئے بغیر آسودگی پیدا فرما دیں، مگر ایسا نہیں ہے، اور اس پر بھی قادر ہیں کہ اس اکل وشرب کو بھوک اور پیاس بڑھا دینے کا سبب بنا دیں جیسے بھوک کا مریض اور مستسقی، کہ جتنا کھاتا اور پیتا ہے اتنی ہی اس کی بھوک پیاس بڑھ جاتی ہے، وغیرہ۔

حروف حروف، حرف کی جمع ہے، لغوی معنیٰ ہے طرف اور کنارہ۔ اصطلاح میں حرف انسان کی اس آواز کو کہتے ہیں جو کیفیات وصفاتِ خاصہ (جیسے سختی، نرمی، بلندی، پستی، پُر ہونا، باریک ہونا وغیرہ) کے ساتھ متکیف اور متصف ہو کر کسی مخرج پر اعتماد کرے۔

واضح رہے کہ جدا جدا مواقع سے خاص خاص انداز پر حروف نکالنا انسان ہی کا خاصہ ہے۔

حرف کی دو قسمیں ہیں (مراد حروفِ مبانی ہیں، نہ کہ حروف معانی)

(۱) **حرف اصلی**: جو اپنے مخرج اصلی اور صفت اصلی سے عدول نہ کیے ہوئے ہو۔

(۲) **فرعی**: جو اسکے خلاف ہو یعنی آواز کسی ایک جگہ نہ ٹھہرتی ہو بلکہ متردد بین المخرجین ہو۔

حروف اصلیہ کی تعداد حروف اصلیہ کی تعداد بر مذہب محقّق انتیس ہے، بصریین کی یہی اتفاقی رائے ہے، فخر الدین الجابردی نے "شرح الکافیہ"

میں یہی لکھا ہے، اور علامہ قرطبی نے اپنی کتاب "المفید" میں یہی اشارہ فرمایا ہے۔

وعدۃ الحروف للهجاء ۞ تسع و عشرین بلا امتراء (نهاية: ص: ۲۷)

مگر مبرد نحوی الف اور ہمزہ کو ایک شمار کیا ہے اس لیے انکے نزدیک اٹھائیس ہے۔

یہ حروف اصلیہ کس قدر عظیم الشان اور بلند مرتبت ہیں کہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی تمام کتابوں کی فہم و تفہیم عطا فرمائی ہے، اسی سے توحید کی معرفت حاصل ہوتی ہے، انہیں سے اللہ تعالیٰ نے عام طور پر سورتوں کا افتتاح فرمایا ہے انھیں سے قسم کھائی ہے، اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات انھیں کیساتھ نازل ہوئے ہیں، انھیں سے مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہوئی ہے، تمام اشیاء انھیں سے عقل میں آتی ہیں اور —— تمام فرائض اور احکام انھیں حروف سے سمجھے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ الحاصل یہ حروف نا قابل شمار شرف ومجد کے حامل ہیں ان حروف عربیہ مذکورہ میں عجمی لغت بھی شریک ہے، صرف ظاؔ ایک ایسا حرف ہے جو خاص عربی ہے، بعض کہتے ہیں کہ حاؔ بھی خالص عربی حرف ہے، اصمعیؔ کہتے ہیں کہ حرف ثاء رومی اور فارسی زبان میں نہیں ہے۔ اور سریانی زبان میں ذال نہیں ہے۔ اسی طرح یہ چھ حروف عین، صاؔد، ضاؔد، قاف، ظاؔ، ثاء —— عربی ہی میں کثیر الاستعمال ہیں، عجمی زبانوں میں ان کا استعمال قلیل ہے۔

حروفِ فرعیہ —— علامہ مکیؒ نے (الرعایہ میں) قرآن کریم میں مستعمل حروف فرعیہ کی تعداد پانچ ذکر کی ہے۔

(۱) نونِ مخفی (اور مدغم بادغام ناقص) (۲) ممالہ (۳) الف مفخمہ (۴) صاد مشمہ (۵) ہمزہ مسہلہ۔

ایک حرف کی آواز اور بھی بیان کی جو شین اور جیم کے مابین بنتی ہے مگر اس کا استعمال قرآن کریم میں نہیں ہے۔ اسی طرح سات حروف کا ذکر مزید کیا ہے جنھیں اہل عرب عند الاضطرار گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔ مگر یہ سب شاذ ہیں اسطرح کل حروفِ اصلیہ وفرعیہ مستعملہ وغیرہ مستعملہ کی تعداد بیالیس ہو جاتی ہے

صاحب نہایت القول نے تین حروف اور بیان کیے ہیں۔
(۱) یاءِ مشممہ (یا کو واو کی بو دے کر پڑھتے ہیں، جیسے قِیلَ، غِیضَ، ہشام، کسائی، رُویس)
(۲) لامِ مفخمہ، اور (۳) وہ غنہ جو نون و میم میں ادغام ناقص یا اخفاء کی حالت میں ہوتا ہے۔
حروف فرعیہ کے مخارج، حروف اصلیہ کے ضمن میں ہوتے ہیں، سوائے غنہ کے کہ اس کا مخرج خیشوم ہے،)

حرکات اصلیہ وفرعیہ

حروف کی طرح حرکات بھی اصلی اور فرعی ہوتی ہیں۔ حرکات اصلیہ تین ہیں، فتحہ، ضمّہ کسرہ۔ اور فرعی حرکات دو ہیں ایک وہ کسرہ جو بوجہِ امالہ آتا ہے، جیسے امالہ کرنے والوں کے نزدیک بُشْرِی، اَلنَّارِ الْکٰفِرِینَ،، مَجْرٖھَا، اور رَحْمِۃo نِعْمِۃ o وقفاً عند الکسائیؒ۔ دوسرے قِیلَ اور غِیضَ وغیرہ میں ہشام، کسائی رُوَیس کے نزدیک بحالت اشمام —— ان میں فتحہ اور کسرہ خالص نہیں رہتے، ایسے ہی بحالت اشمام بھی کسرہ میں ضمہ کی بو پیدا ہو جاتی ہے۔

حروف اصل ہیں یا حرکات

اہل نظر اور نحاۃ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ پہلے کون ہے حرف یا حرکت؟ یا یہ کہ دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے سابق نہیں؟

پس ایک جماعت الحروف قبل الحرکات کی قائل ہے، استدلال یہ ہے کہ حرف ساکن ہوتا ہے اور حرکت سے خالی ہوتا ہے۔ بعد میں متحرک ہوتا، اس طرح حرکت کا درجہ ثانیہ ہی رہے گا، نیز یہ کہ حرف قائم بنفسہٖ ہوتا ہے، حرکت کے لیے مضطر اور محتاج نہیں ہوتا۔ اور حرکت قائم بنفسہا نہیں ہے اور حرکت آتی ہے تو حرف پر آتی ہے پس حرکت محتاج ہوئی حرف کی نیز یہ کہ بعض حروف ایسے ہیں کہ ان پر حرکت داخل نہیں ہوتی جیسے الف۔ پس معلوم ہوا کہ حرف متقدم ہے حرکات پر۔

اور ایک جماعت اس کے برعکس کی قائل ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب حرکت میں اشباع ہوتا ہے تو اس سے حروف پیدا ہوتے ہیں جیسے ضمہ کے اشباع سے واؤ، کسرہ کے بڑھ

جانے سے یاء۔ اور فتحہ کے اشباع سے الف پیدا ہوتا ہے۔

مگر اصل اور قوی قول اول ہی ہے، بعد کا ضعیف ہے، کیوں کہ حرکت کا محل تو حرف ہے، محل سے پہلے اس کا وجود کیونکر ہوگا؟

تیسرا قول کہ حروف وحرکات دونوں میں کوئی پہلے اور بعد نہیں ہے بلکہ دونوں ایک ساتھ استعمال میں آتے ہیں۔ مگر اس قول کا ضعیف ہونا ظاہر ہے۔

اسی طرح کا اختلاف اس بارے میں بھی ہے کہ حرکات ثلٰثہ فتحہ، ضمہ، کسرہ ماخوذ ہیں حروف مدولین سے یا، حروف مدولین ماخوذ ہیں ان حرکات سے۔ پس اکثر نحاۃ قائل ہیں کہ یہ حرکاتِ ثلٰثہ ماخوذ ہیں ان حروف ثلٰثہ واؤ، یاء، الف سے۔ دلیل دونوں حضرات کی وہی ہے جو حروف وحرکات کی اصل وفرع کے سلسلے میں گذری۔

اقسام مخارج

مَخارِج، مَخْرَج (بروزن مَفْعَل) کی جمع ہے، لغۃً جائے خروج، نکلنے کی جگہ۔

اصطلاح میں ——— حرف کی ادائیگی میں جس جگہ آواز ٹھہرتی ہے اس کو مخرج کہتے ہیں تفصیلاً حرف کے پیدا ہونے کی جگہ کو مخرج کہتے ہیں۔

مخرج کی دو قسمیں ہیں: (۱) مخرجِ محقَّق، (۲) مخرجِ مقدَّر۔

آواز اگر اجزائے حلق، لسان (زبان) یا منھ وشفت (ہونٹ) میں سے کسی جزءِ معیّن پر ٹھہرے یعنی جس میں حرف کی بند ہوتی ہوئی آواز ذاہراً محسوس ہو تو محقَّق ہوگا۔ ——— مخرج محقق تین ہیں، حلق، لسان، شفت، انہیں اصول مخارج کہتے ہیں۔ ایک جماعت کے نزدیک جوف اور خیشوم بھی اصول مخارج میں سے ہیں، محقق ابن الجزریؒ بھی انہیں میں ہیں۔ ابو شامہ ایک چھٹا اصول شمار کرتے ہیں قاء کو، کیونکہ یہ دانت سے تعلق رکھتا ہے اس لیے کامل شفوی نہیں اور لسان نہیں ہے اس لیے تحقیق یہ ہے کہ یہ ایک مستقل قسم ہے۔ (ابراز ص:۵۱۶)

اور اگر آواز منھ کی ہوا پر ختم ہو رہی ہے اور ظاہراً محسوس نہ ہوتی ہو تو اس کو مقدر کہتے ہیں، یہ دو ہیں، جوف اور خیشوم۔

دانتوں کا بیان

اَسنانؔ، سنؔ کی جمع ہے، بمعنیٰ دانت؛ یہ دانت استخوانی کے ہوتے ہوئے بھی اسطرح کے ہیں کہ ان کی جڑوں میں سخت پٹھوں کی شاخیں بھی ہیں، یہی وجہ ہے کہ سرد و گرم اور تلخی و ترشی وغیرہ کو محسوس کرتے ہیں۔ ان دانتوں کی دو قسمیں ہیں، ایک عارضی۔ دوسرے مستقل۔

واضح ہو کہ دانت بھی حروف کے مخارج کا ایک حصہ ہے، لہذا مناسب ہے کہ مخارج کے تفصیلی بیان سے پہلے حسبِ اصطلاح قراء دانتوں کے نام بیان کردیے جائیں۔

ایک دانت کچے ہوتے ہیں جنہیں دودھ کا دانت بھی کہا جاتا ہے یہ تقریباً ایک سال میں نکل آتے ہیں اور کچھ ہی سالوں میں ٹوٹنے لگتے ہیں۔ پھر پکے دانت نکلنے شروع ہوتے ہیں اور عموماً عمر دراز تک باقی رہتے ہیں۔ یہاں انہیں دانتوں کا ذکر ہے جو عام طور پر بتیس ہوتے ہیں، سولہ اوپر، سولہ نیچے۔ عام طور پر اس لیے کہا کہ اس تعداد سے کم و بیش بھی ہوتے ہیں، یعنی اٹھائیس، انتیس، تیس اور اکتیس، اور چھتیس تک بھی ہوتے ہیں مگر اٹھائیس سے کم اور چھتیس سے زیادہ نہیں ہوتے۔

ان کی چھ قسمیں ہیں، (۱) ثنایا، (۲) رباعیات، (۳) انیاب، (۴) ضواحک، (۵) طواحن، (۶) نواجد۔

یہ فرق اس دانت کی وجہ سے ہوتا ہے جو عقل کے دانت کہلاتے ہیں جو آخری ڈاڑھیں ہیں۔

عموماً دانتوں کی تفصیل میں عُلیا یعنی اوپر والے دانتوں ہی کے نام بتلائے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ سوائے ثنایا سُفلیٰ کے، نیچے کے دانتوں کا تعلق حروف کی ادائیگی سے نہیں ہے۔

ثنایا: یہ سامنے کے چار دانت ہیں دو اوپر، دو نیچے۔ چونکہ یہ دو بالکل ملے ہوئے ایک

ساتھ ہیں، اوپر والے ثنایا علیا، اور اسی کے نیچے والوں کو ثنایا سُفلی کہتے ہیں۔ ثنایا کے بعد باقی چار قسموں کے دانت آپس میں ملے ہوئے ایک ساتھ نہیں ہیں۔

رباعیات: یہ ثنایا سے متصل چار دانت، ایک ایک اوپر نیچے دائیں، اور ایک ایک اسی طرح بائیں۔ اس کا دوسرا نام قواطع بھی ہے، اشیاء کو کاٹنے کا کام کرتے ہیں۔

انیاب: رباعیات سے ملے ہوئے اسی ترتیب سے چار دانتوں کو انیاب، (نکیلے) کہتے ہیں، دوسرا نام کواسر ہے یعنی توڑنے والے۔

ضواحک :انیاب کے بعد اسی طرح چار دانت ہیں، ضواحک یعنی ہنسنے والے۔ (عموماً ہنستے وقت یہاں تک دانت کھل جاتے ہیں)

طواحن:ضواحک کے بعد اوپر نیچے اور دائیں بائیں تین تین دانت ہیں، کل بارہ ہیں۔ طحن بمعنیٰ چکی، پیسنے والے۔ یہ دانت غذاؤں کو بالکل پیس کر باریک کر دیتے ہیں۔

نواجذ: بمعنیٰ ڈاڑھ، یہ بالکل اخیر میں ایک ایک دانت ہیں، اور یہ دانت بلوغ کے بعد نکلتے ہیں، اسی لیے ان کو اضراس العقل (عقل کی ڈاڑھیں) کہتے ہیں۔

ضواحک، طواحن اور نواجد کا مجموعی نام اَضر اس ہے۔

ہمارے یہاں بول چال میں ——— ثنایا اور رباعیات کو، دانت۔ انیاب کو کچلیاں، اور باقی دانتوں (ضواحک، طواحن، اور نواجد) کو ڈاڑھ کہا جاتا ہے۔

دانت تین قسم کے ہوتے ہیں، (۱) طاحنہ، (۲) کاسرہ، (۳) قاطعہ۔ طاحنہ وہ دانت جو غذاؤں کو نرم کرنے اور پیسنے کا کام دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ پھیلے ہوئے، چکی کی طرح ہوتے ہیں۔ کاسرہ بمعنیٰ توڑنے والی، جنہیں انیاب کہتے ہیں یہ ناب کی جمع ہے جسے ہندی میں کچلی کہتے ہیں یہ اشیاء کو توڑتے ہیں اسی لیے بناوٹ میں نوکدار ہوتے ہیں۔ قاطعہ بمعنیٰ کاٹنے والے یہ رباعیات اور ثنایا ہیں۔ اسی لیے یہ وضع اور بناوٹ میں سیدھے اور تیز ہیں۔ (نہایہ ص:۵۰)

دانتوں کا نقشہ

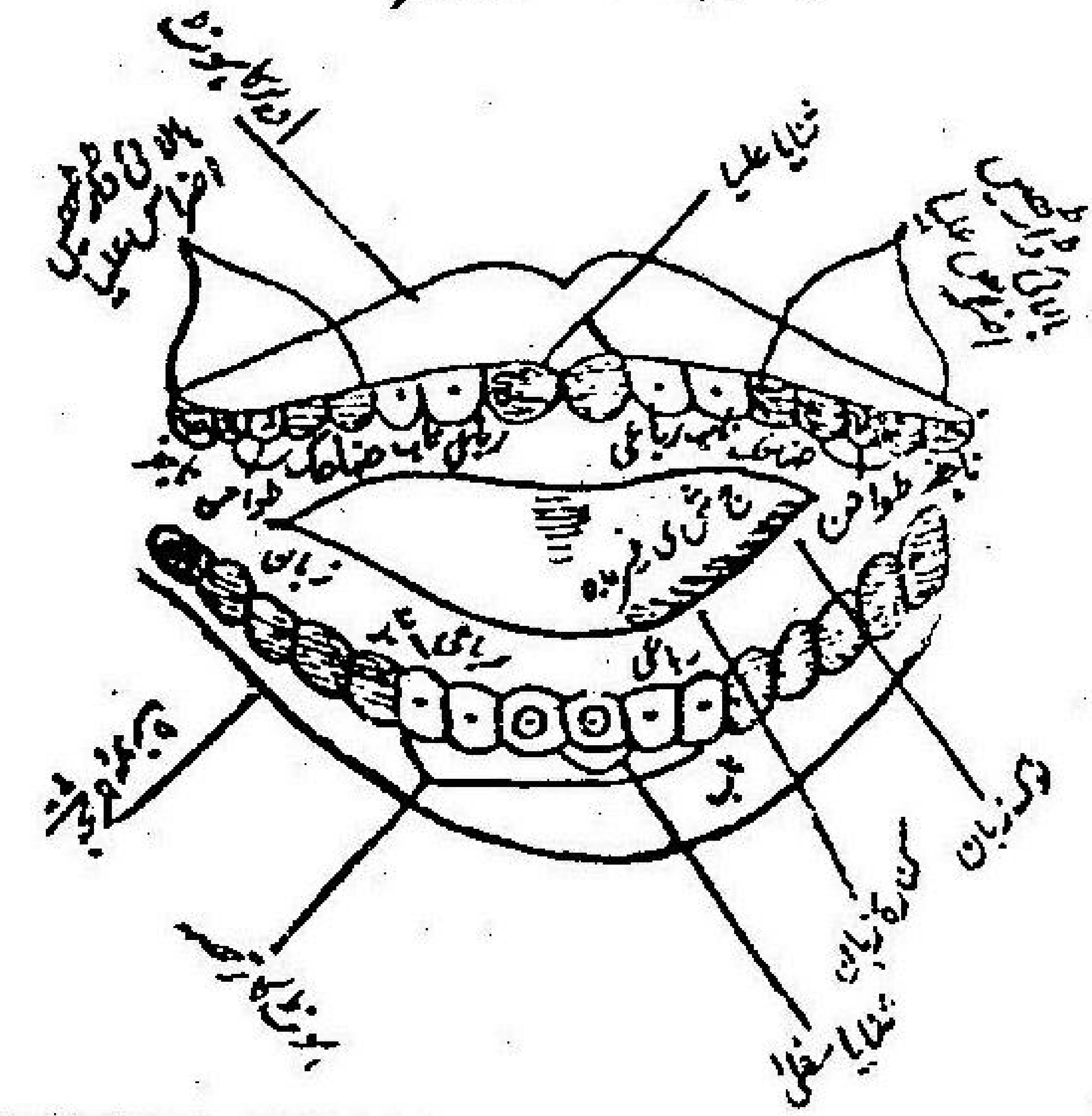

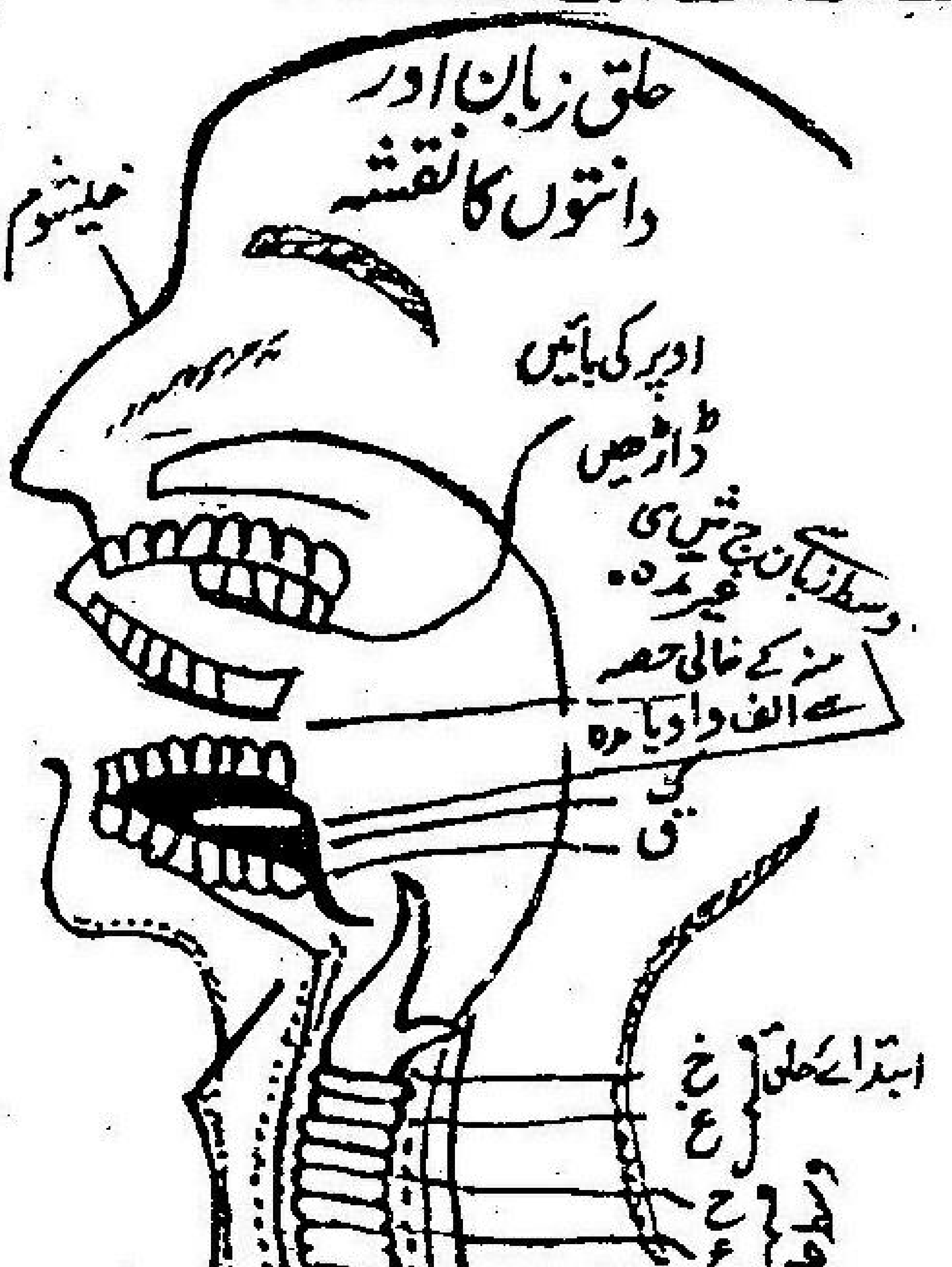

مخارج اور ان کی تعداد

حروفِ اصلیہ وعربیہ (نہ کہ فرعیہ وعجمیہ) کے مخارج کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے، تین اقوال ہیں۔

(۱) استاذ النحاۃ الامام، صاحب العروض اور کتاب العین کے مصنف، ابوعبد الرحمٰن خلیل ابن احمد نحوی بصری (م ۱۷۰ یا ۱۷۷ھ) (فراہیدی وفرہودی بھی کہا جاتا ہے) ابومحمد مکی، ابوالقاسم ہذلی، ابوالحسن شُریح، اکثر نحاۃ، اکثر قراء اور محققین کا قول سترہ کا ہے، جمہور کی رائے بھی یہی ہے، بوعلی سینا نے بھی یہی لکھا ہے محقق ابن الجزریؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۲) سیبویہ اور ان کے متبعین کی رائے پر سولہ مخارج ہیں، علامہ شاطبیؒ نے اسے اختیار کیا ہے۔

(۳) اور ابوعمرو صالح بن اسحٰق جرمی، محمد بن مستنیر الملقب بہ قُطرب، ابن کیسان، ابن دُرَید، ابن زیاد الفراء اور ان کے متبعین کی رائے پر چودہ مخارج ہیں۔

سترہ کی تعداد اس طرح ہے —— جوف میں ایک مخرج، حلق میں تین، زبان یا منہ میں دس، شفتین میں دو، خیشوم میں ایک۔

سولہ کی تعداد اس طرح ہے — چونکہ سیبویہ نے حروفِ مدہ کا مخرج الگ نہیں مانا ہے، بلکہ واؤ اور یاء مدہ ہوں یا غیر مدہ دونوں کا مخرج ایک، اور الف کا مخرج اقصائے حلق بیان کیا ہے۔

چودہ کی تعداد —— فراء نے علاوہ بریں لام، نون، را کا قرب کا لحاظ کر کے ایک ہی مخرج بیان کیا ہے اس طرح ان کے نزدیک چودہ ہیں

حافظ ابوالقاسم عبدالرحمٰن ابن اسماعیل المقدسی الدمشقی المعروف بہ ابوشامہ (م ۶۵۰ھ) کی تحقیق کے مطابق فی الواقع ہر ایک حرف کا ایک ایک مخرج مستقل اور الگ ہے لیکن بوجہ شدتِ قرب کے سب کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنا دشوار ہے، اسی بنا پر کسی (فرّاء) نے چودہ

مخارج، کسی (سیبویہ) نے سولہ، مگر چونکہ خلیل ابن احمد نے سب سے زیادہ یعنی سترہ مخارج بیان کیے ہیں، اس لیے اکثر محققین نے بیان مخارج میں انہیں کا مذہب اختیار کیا ہے، علاوہ ازیں خلیل کا مذہب زیادہ مدلل اور قابلِ اعتماد سمجھا جاتا ہے۔

مخارج کی اہمیت

محققین فرماتے ہیں کہ حروف کو پرکھنے اور سمجھنے کے لیے مخارج کی حیثیت بنیادی ہے، یہ وزن اور مقدار، ذات وحقیقت اصل اور سبب مولّد کے درجہ میں ہے۔ یعنی حروف کے لیے مخارج بمنزلہٗ میزان اور ترازو کے ہیں کہ ان سے حروف کی کمیت اور مقدار معلوم ہوتی ہے حرف کی ذات کی تعیین ہوتی ہے، مخرج میں کمی سے حرف کی ذات میں نقص آجاتا ہے۔ مخارج تجوید کا جزو اعظم ہیں۔

ترتیبِ مخارج

انسان کی تخلیق، بناوٹ اور ترکیب اعضاء، انتصاب اور سیدھے پن پر ہے، اس کا تقاضہ یہ تھا کہ بیانِ مخارج میں ترتیب اسطرح ہوتی کہ پہلے حروف شفویہ کا بیان ہوتا، پھر لسانی کا اور آخر میں حلقی کا —— مگر ایسا نہیں کیا؟

اس لیے کہ —— حروف آوز سے بنتے ہیں، آواز کا مادہ اور اس کی اصل وہ "ہوا" ہے جو انسان کے اندر سے نکلتی ہے اس کا مصدر سینہ ہے، اور پہلی منزل حلق ہے، اس لیے بیان مخارج کو حلق کے آخر سے شروع کرتے ہوئے ہونٹ کے ابتدائی حصہ پر ختم کیا جاتا ہے، یہی جمہور کا طریقہ رہا ہے۔

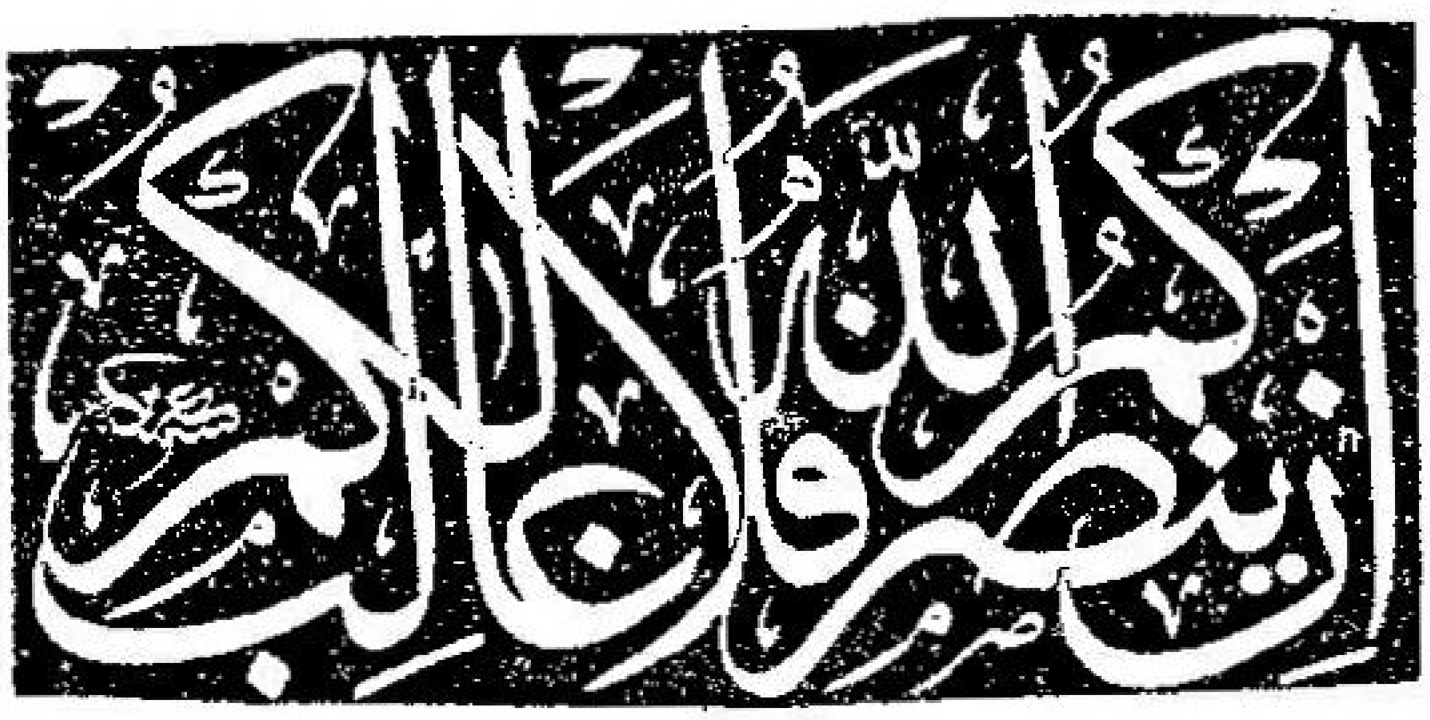

حروف کے مخارج اور صفات کا نقشہ

نمبر شمار	حروف تہجی	نام حروف	نام مخارج	مخارج	صفات لازمہ: متضادہ					صفات لازمہ: غیر متضادہ	صفات عارضہ
۱	ا	الف و الف آں	جوفیہ	جوف	مجہورہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ	مدیہ	حرکت ماقبل کی تابع مرققہ مفخمہ
۲	ء	ہمزہ	حلقیہ	اقصیٰ حلق	مجہورہ	شدیدہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ		مرققہ مسہلہ
۳	ہ	ہا			مہموسہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ		مرققہ
۴	ع	عین		وسط حلق	مجہورہ	متوسطہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ		مرققہ
۵	ح	حا			مہموسہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ		مرققہ
۶	غ	غین		ادنیٰ حلق	مجہورہ	رخوہ	مستعلیہ	منفتحہ	مصمتہ		مفخمہ
۷	خ	خا			مہموسہ	رخوہ	مستعلیہ	منفتحہ	مصمتہ		مفخمہ
۸	ق	قاف	لہاتیہ	اصل اقصیٰ لسان مع اوپر کا تالو	مجہورہ	شدیدہ	مستعلیہ	منفتحہ	مصمتہ	مقلقلہ	مفخمہ مدغمہ
۹	ک	کاف		ادنیٰ اقصیٰ لسان مع اوپر کا تالو	مہموسہ	شدیدہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ		مرققہ
۱۰	ج	جیم	شجریہ	وسط زبان مع اوپر کا تالو	مجہورہ	شدیدہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ	مقلقلہ	مرققہ
۱۱	ش	شین			مہموسہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ	متفشیہ	مرققہ
۱۲	ی	یا			مجہورہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ	لینیہ مدیہ	مرققہ مدیہ
۱۳	ض	ضاد	حافیہ	حافہ لسان مع اضراس علیا	مجہورہ	رخوہ	مستعلیہ	مطبقہ	مصمتہ	مستطیلہ	مفخمہ
۱۴	ل	لام	ذلقیہ	ادنیٰ حافہ لسان مع مسوڑھے کے ثنایا کے محاذی	مجہورہ	متوسطہ	مستفلہ	منفتحہ	مذلقہ	منحرفہ	مغلظہ مدغمہ
۱۵	ن	نون		سر زبان مع مسوڑھے کے	مجہورہ	متوسطہ	مستفلہ	منفتحہ	مذلقہ	مغناۃ	مرققہ مخفاۃ
۱۶	ر	را		سر زبان اور کچھ پشت مع اوپر کا تالو	مجہورہ	متوسطہ	مستفلہ	منفتحہ	مذلقہ	منحرفہ مکررہ	مرققہ
۱۷	ط	طا	نطعیہ	سر زبان مع جڑ ثنایا علیا	مجہورہ	شدیدہ	مستعلیہ	مطبقہ	مصمتہ	مقلقلہ	مفخمہ
۱۸	د	دال			مجہورہ	شدیدہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ	مقلقلہ	مرققہ مدغمہ
۱۹	ت	تا			مہموسہ	شدیدہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ		مرققہ، مدغمہ
۲۰	ص	صاد	اسلیہ	سر لسان مع ثنایا علیا بہمس	مہموسہ	رخوہ	مستعلیہ	مطبقہ	مصمتہ	صفیریہ	مفخمہ
۲۱	س	سین			مہموسہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ		مرققہ
۲۲	ز	زا			مجہورہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ		مرققہ
۲۳	ظ	ظا	لثویہ	سر لسان مع سر ثنایا علیا	مجہورہ	رخوہ	مستعلیہ	مطبقہ	مصمتہ		مفخمہ
۲۴	ذ	ذال			مجہورہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ		مرققہ مدغمہ
۲۵	ث	ثا			مہموسہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ		مرققہ، مدغمہ
۲۶	ف	فا	شفویہ	ثنایا علیا کا سرا اور نیچے کے ہونٹ کی تری	مہموسہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مذلقہ		مرققہ
۲۷	و	واؤ		دونوں ہونٹ نا مکمل کر بیچ کھلا رکھ کر	مجہورہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ	مدیہ لینیہ	مرققہ، مدیہ
۲۸	ب	با	شفویہ	دونوں ہونٹوں کی تری	مجہورہ	شدیدہ	مستفلہ	منفتحہ	مذلقہ	مقلقلہ	مرققہ، مدغمہ
۲۹	م	میم		دونوں ہونٹوں کی خشکی	مجہورہ	متوسطہ	مستفلہ	منفتحہ	مذلقہ	مذلقہ	

صفات قویہ وضعیفہ

صفاتِ لازمہ میں سے گیارہ صفتیں —— جہر، شدت، استعلاء، اطباق، اصمات اور (غیر متضادہ میں سے) لین کے سوا سب قویہ ہیں، اور باقی سب ضعیفہ۔

صفاتِ قویّہ میں بعض کی قوت بعض سے زیادہ ہے، سب سے قوی قلقلہ ہے، اس کے بعد شدت، اس کے بعد جہر، پھر تفشّی، اور صفیر کا درجہ ہے، پھر اطباق، اس کے بعد استعلاء (بلا اطباق) ان کے بعد اصمات، استطالہ، تکریر، انحراف کا درجہ ہے۔

حروف کی اقسام باعتبار تعدادِ صفات

صفات کی تعداد کے اعتبار سے حروف کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) پانچ صفات والے، ایسے حروف پندرہ ہیں، جو فَحَثَّهُ خَكَتَ اَمْنَعَ ذَا ظَغَ میں جمع ہیں (ہر حرف میں کم سے کم پانچ صفات کا پایا جانا بلا کسی کمی اور زیادتی کے ضروری ہے، کیونکہ صفاتِ متضادہ سے کوئی حرف بچا ہوا نہیں ہے۔)

(۲) چھ صفات والے، ایسے حروف تیرہ ہیں، جو زَ سَص شَلَ وَ ىَ ضَ قُطْبُ جَدٍّ میں جمع ہیں۔ (پانچ متضادہ میں سے اور ایک غیر متضادہ میں سے۔)

(۳) سات صفات والا حرف، صرف را ہے کہ اس میں غیر متضادہ میں سے دو صفتیں، انحراف اور تکریر پائی جاتی ہیں۔

باعتبار قوت وضعف کے حروف کے اقسام

قوت وضعف کے اعتبار سے حروف کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) اگر حرف میں تمام صفات قویہ ہوں یا صرف ایک صفت ضعیف ہو تو ایسے حروف کو اقویٰ کہتے ہیں، ایسے حروف ض، ط، ظ، ق، ہیں۔

(۲) اگر قوی صفات، ضعیف کے مقابلے میں زیادہ ہوں تو وہ قوی کہلاتے ہیں، جو صَدُ غ رِجْزٌ میں جمع ہیں۔ (صاحب فوائد مکیہ کا زاء کو متوسط میں شمار کرنا تفرد ہے)

راء میں شبہِ استعلاء اور عارضی تفخیم کا لحاظ کیا گیا ہے، اور زاء میں صفت جہر ہے، یہ سوائے قلقلہ وشدت کے باقی صفات سے قوی ہے، نیز اس حرف میں صفتِ صفیر کے باعث کسی قدر تفشی بھی ہے، اس بناء پر زاء کو قوی میں شمار کیا جاتا ہے۔

(۳) اضعف: یہ چھ حروف فَمَنْ حَثَّهٗ میں جمع ہیں۔ (نون میں بعض حضرات نے کچھ صفات اور بھی بیان کی ہیں جو سب ضعیف ہیں)

(۴) ضعیف: یہ پانچ حروف لِیُشَوِّسْ میں جمع ہیں۔

(۵) متوسط: یہ آٹھ حروف عَذَّبْتُ اَخَاکَ میں جمع ہیں۔ باء کو قویہ میں شمار کرنے میں صاحبِ فوائد مکیہ متفرد ہیں)

حروف کی ان اقسامِ خمسہ کو صاحبِ نہایہ نے منظوم نقل کیا ہے، وہ یہ ہے:

اقوی الحروفِ الطاوضادٌمعجمه ❁ والظّاءُ ثم القاف وهی الخاتمه

قویُّها جیمٌ ودال ثم را ❁ صاد وزای ثمّ غینٌ قررا

واوسطُ همزٍ وباتاءٌ الف ❁ خاء وذال عین کاف ثمّ قِف

واضعف الحروف ثاء حاء ❁ والنون والمیم وفاء هاءُ

ضعیفها سین وشینِ لامٌ ❁ والوا والیاء هی الختام

ذیل میں اس نظم کو اردو کا جامہ دیا گیا ہے:

حرف کی ہیں پانچ قسمیں جان تو اے نوجواں ❁ وہ قوی، اقوی، ضعیف، اضعف میانہ ہیں عیاں

مجھ سے سن لے تو ابھی تفصیل سب کی صاف صاف ❁ سب سے قوت میں ہیں زائد طاء وظاء، ضاد قاف

جیم ودال وراء وزا ونیز دیگر صاد وغین ❁ ہیں قوی الحرف انکو یاد کرائے نورِ عین

آٹھ ہیں حرفِ میانہ ہمزہ الف وباء وذال ❁ عین وخاء وکاف وتا ہیں ضبط کرائے خوشخصال

سب سے زیادہ ضعف جن میں ہیں وہ چھ ہیں اے فہیم ❁ ثا وحا وفا ہا ہیں بعد ان کے نون ومیم

سین ولام وواو یا ونیز شینِ معجمہ ❁ ہیں ضعیف الحرف ہے تقسیم کا اب خاتمہ

جیسا کہ گذرا، مذکورہ بالا حروف کی پانچوں اقسام صفاتِ قویہ اور ضعیفہ کی تعداد پر موقوف ہے، پس اقوی وہ حروف ہوں گے جن میں حقیقتاً کل صفات قویہ ہوں، جیسے طا، یا

حکماً جیسے ضاد، ظاء، قاف، اور قوی وہ حروف ہوں گے جن میں زیادہ قویہ ہوں اور ضعیفہ کم جیسے صَدُ غَ دِجْزٌ کے حروف، اور حروف اضعف میں حقیقتاً کل ضعیفہ ہوں گی جیسے فاء، یا حکماً جیسے فَمَنْ حثۂ کے حروف، اور حروفِ ضعیفہ میں زیادہ ضعیفہ ہوں گی اور کم قویہ جیسے لیشوّس کے حروف، اور حروف متوسطہ میں دونوں صفتیں حقیقتاً مساوی ہوں گی جیسے یا حکماً عَذَبْت اَخَاکَ کے حروف میں۔

حروف کی اقسام، مخارج وصفات کے اتحاد واختلاف اور قرب وبعد کے اعتبار سے

کچھ حروف مخارج میں متحد ہوں گے، صفات میں مختلف، اور کچھ حروف اس کے برعکس اور کچھ میں باہم قرب اور بعد ہوگا اس اعتبار سے حروف کی سات قسمیں ہیں:

(۱) متحد المخارج مختلف الصفات: ایسے حروف یہ ہیں، حروف مدہ، ء، ہ، ع، ح، غ، خ، ج، ش، ی (غیر مدہ) حا، د، ت، ظ، ذ، ث، ص، ز، س، ب، م، و (غیر مدہ)

جب حروف مخرج میں متحد ہوتے ہیں تو ان میں امتیاز، فرق اور جدائی کسی نہ کسی صفتِ لازمہ منفردہ سے ہوتی ہے ایسی صفات کو ممیّزہ کہتے ہیں، جس کا تفصیلی بیان آرہا ہے۔

(۲) مختلف المخارج متحد الصفات: ایسے حروف یہ ہیں: ا، ذ، ک، ت، ث، ح، ج، د، ن، م، و، ی، ان حروف میں امتیاز مخرج کے ذریعہ ہوتا ہے کہ ان سب کے مخرج الگ الگ ہیں۔

(۳) مختلف المخارج مختلف الصفات: ایسے حروف یہ ہیں: ب، ط، ث، ر، ا، ق، ک، کہ ان کے مخرج الگ ہیں اور اکثر صفات میں الگ ہیں۔ قرب وبعد کے اعتبار سے قسمیں:

(۴) قریب المخارج قریب الصفات: حروف ل، ر، ہیں۔

(۵) قریب المخارج بعید الصفات: یہ حروف: د، ذ، ء، ع، ہ، ح، ع، خ، غ، ہیں۔

(۶) بعید المخارج قریب الصفات: یہ حروف، س، ش، ض، ظ ہیں۔

(۷) بعید المخارج بعید الصفات: یہ حروف، ث، ر، ہیں۔

اسی طرح کچھ حروف متشابہ الصوت ہیں۔ ت ط، ث س ص، ح ہ، ذ ز ض ظ، ق ک، ق غ۔

حروف میں امتیاز

حروف صفات لازمہ میں متحد اور ساتھ ہوتے ہیں تو ان میں باہم فرق وامتیاز، جدائی اور علیحدگی مخرج سے ہوتی ہے، اور جب مخرج میں متحد ہوں تو صفات کے ذریعے ممتاز ہوتے ہیں —— اور کبھی مخرج اور صفت دونوں سے —— اور کبھی ماقبل کی حرکت سے ۔اس طرح حروف کے امتیاز کی یہ چار صورتیں ہیں۔

امتیاز بالمخرج

مخرج کے ذریعہ ممتاز اور جدا ہونے والے حروف یہ ہیں: ث، ح، ہ، —— اور ت، ک، —— اور ن، میم —— اور ج، د، —— یہ حروف صفاتِ لازمہ میں ساتھ ہیں لیکن ہر ایک کا مخرج علیحدہ علیحدہ ہے۔

اور الف، واؤ، یاء مدہ —— ان میں فرّاء، اور سیبویہ کے نزدیک امتیاز مخرج سے ہے —— اس طرح کہ الف کا مخرج اقصائے حلق ہے، اور یاء کا مخرج زبان کا بیچ اور اوپر کا تالو ہے —— اور واؤ کا مخرج دونوں ہونٹ ہیں۔

اور خلیلؒ کے نزدیک بھی ان میں ایک طرح کا امتیاز اور فرق مخرج کے ذریعہ ہے —— اس طرح کہ —— الف کا مخرج حلق کی خالی جگہ، اور یاء مدہ کا مخرج منہ کی خالی جگہ، اور واؤ مدّہ کا مخرج ہونٹ کی خالی جگہ ——۔

امتیاز بالحرکت

اور ان میں تمایز وامتیاز بالحرکت بھی ہے —— اس طرح کہ —— ان میں سے ہر ایک اپنے شریک سے اپنے ماقبل کی حرکت سے ممتاز ہوتا ہے —— کیونکہ یاء کی ادا میں انخفاض صوت ہوتا ہے ماقبل کے کسرہ کی وجہ سے —— اور واؤ کی ادا میں انضمامِ شفتین (دونوں ہونٹوں کی گولائی) ہوتا ہے، ماقبل کے ضمہ کی وجہ سے —— اور الف کی ادا میں انفتاحِ فم (منہ کا کھلا رہنا) ہوتا ہے ماقبل کے فتحہ کی وجہ سے۔

امتیاز بالصفات

جب حروف مخرج میں متحد ہوں تو صفت سے ممتاز ہوں گے جیسے:

(ء، ہ) ـــــ ہمزہ میں جہر اور شدت ہے، اور ہاء میں ہمس اور رخو ـــــ باقی صفات میں دونوں مشترک ہیں۔

(ع، ح) ـــــ عین ممتاز ہے حاء سے جہر اور توسط کے ساتھ ـــــ باقی صفات میں اشتراک۔

(غ، خ) ـــــ غین میں جہر اور خاء میں اس کی ضد ہمس، باقی صفات میں اشتراک۔

(ج، ش، ی غیر مدہ) ـــــ جیم، شین سے جہر، شدت اور قلقلہ کے ساتھ ـــــ اور یاء سے شدت وقلقلہ کے ساتھ، اور شین، یاء سے تفشی اور ہمس کے ساتھ ممتاز ہے ـــــ اور یہ تینوں حروف استفال، انفتاح اصمات میں ـــــ اور جیم، یاء ـــــ جہر میں ـــــ اور شین، یاء رِخو میں ساتھ ہیں۔

(ط، د، ت) ـــــ طاء، دال سے استعلاء واطباق کے ذریعے، اور تاء سے جہر اور قلقلہ کے ذریعے بھی ممتاز ہے ـــــ یہ تینوں شدت اور اصمات میں ـــــ اور طا، دال، جہر وقلقلہ میں ـــــ اور تا، دال ـــــ استفال اور انفتاح میں ساتھ ہیں۔

(ص، ز، س) ـــــ صاد، سین سے استعلاء واطباق کے ساتھ اور زاء سے ہمس، استعلاء اور اطباق ـــــ اور سین، زاء سے ہمس کے ساتھ ممتاز ہے ـــــ یہ تینوں ـــــ رخو، اصمات، صفیر میں ـــــ اور سین، زاء ـــــ استفال، انفتاح میں ساتھ ہیں۔

(ث، ذال، ظ) ـــــ ثاء کو ذال سے ہمس کے ساتھ امتیاز ہے اور ظاء سے ـــــ استفال، انفتاح کے ساتھ ـــــ اور تینوں رِخو اور اصمات میں ـــــ اور ذال، ظاء جہر میں متحد ہیں۔

(ب، م، واو غیرہ مدہ) ـــــ باء، میم سے شدت اور قلقلہ، اور واؤ سے اذلاق کے ساتھ بھی ممتاز ہے ـــــ اور میم واؤ سے توسط اور غنہ اور اذلاق کے ساتھ ممتاز ہے ـــــ یہ تینوں جہر، استفال، انفتاح میں، اور باء، میم اذلاق میں متحد ہیں ـــــ اور فی الواقع ان

میں ایک قسم کا تمایز بالمخرج بھی ہے جیسا کہ مخارج کے بیان میں معلوم ہوا (کہ باء دونوں ہونٹوں کی تری سے ——— میم دونوں ہونٹوں کی خشکی سے اور واؤ دونوں ہونٹوں کے کنارے ملنے اور بیچ کھلا رہنے سے نکلتے ہیں)

جب فراءؒ کے نزدیک ل، ن، ر، کا مخرج ایک ہے تو ان میں تمایز بالصفت ہونا چاہیے، لہٰذا معلوم ہو کہ راء دونوں سے ممتاز ہے تکریر کے ساتھ اور لام، نون سے ممتاز ہے انحراف کے ساتھ ——— اور صفات متضادہ میں تینوں اور انحراف میں لام، راء متحد ہیں۔

امتیاز بالمخرج والصفت

سیبویہؒ اور خلیلؒ کے مذہب پر ض، ف، ق، ل، ن، ر ایسے حروف ہیں کہ ان سے ہر ایک اپنے مخرج اور صفت دونوں کے ذریعہ ممتاز ہیں، ——— نہ مخرج میں اپنے غیر کے ساتھ متحد ہیں اور نہ کل صفاتِ لازمہ میں۔

❁❁❁

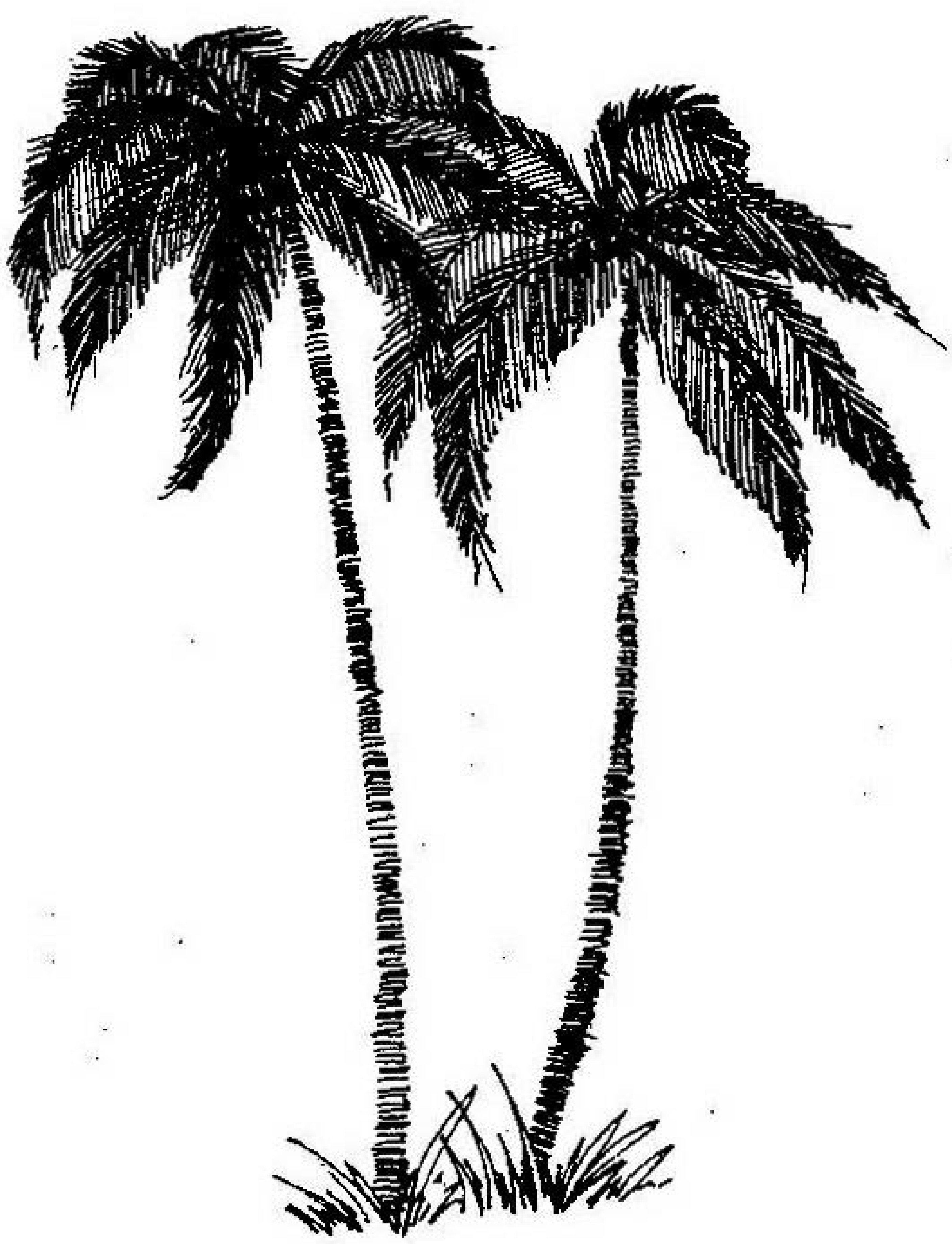

تنبیہات

اوپر دیے گئے نقشے میں ہر حرف کے سامنے کے خانوں میں دیے گئے مندرجات کو بغور دیکھئے، ہر حرف کا مخرج اس کے بعد اس کی صفات لازمہ متضادہ اور غیر متضادہ اور آخری خانے میں اس کی صفات عارضہ کو پیش کیا گیا ہے، یہ اب تک کے بیان کردہ حروف کے مخارج اور صفات کا جوہری خلاصہ اور عطر ہے —— اب ذیل میں ہر حرف کے لیے اختصار کے ساتھ الگ الگ تنبیہات درج کی جاتی ہیں۔

حروف مدّہ

الف: اس حرف کے بعض احوال ایسے ہیں جو کسی اور حرف میں نہیں ہیں، ایک تو یہ کہ یہ زائد ہوتا ہے جب تک کسی دوسرے حرف سے نہ بدل جائے، تبدیلی کے بعد اصلی ہوتا ہے، واؤ سے بدلا جائے جیسے قَال، یاء سے جیسے جاءَ، ہمزہ سے بدلا جائے جیسے سَأل۔

نیز یہ وقف کی حالت میں منصوب (دوزبرکی) تنوین کے عوض میں آتا ہے۔ نیز یہ اپنے ماقبل حرف کے تابع ہوتا ہے یعنی اگر مستفلہ حرف کے بعد ہوگا تو بالاتفاق باریک پڑھا جائے گا، جیسے العٰلمین، الرحمن، ایّاک وغیرہ، اور حرف مستعلیہ کے بعد ہوگا تو بالاتفاق پُر پڑھا جائے گا جیسے الصّٰدِقِین، الظّٰلمین، القآئمین، وغیرہ کیونکہ اس کا مخرج جوف ہے، کوئی متعین جگہ نہیں ہے، کہ اسے تفخیم یا ترقیق کی صفت کے ساتھ متصف کیا جاسکے۔ واؤ مدہ بھی پُر حرف کے بعد پُر ہوتا ہے اور باریک حرف کے بعد باریک (نہایۃ ص:۸۳) جیسے الطّور، والصور وغیرہ۔ یاء مدہ بلاشبہ ہر حال میں باریک ہوتی ہے۔

الف کی ترقیق وتفخیم کی حفاظت کرنی چاہیے، اسے امالہ سے بچانا چاہیے، اس کی طبعی مقدار سے نہ زیادتی ہو اور نہ کمی۔ اور نون ومیم سے پہلے ہو یا بعد میں غنہ سے بچانا چاہیے۔

الہمزۃ

یہ حرف بھی ابدالی اور زوائد میں سے ہے، اس حرف کی اپنی کوئی صورت وشکل نہیں اس کا اپنا کوئی خط نہیں ہے، جسے دیکھ کر پہچانا جاسکے، اس کی شکل وصورت

مختلف حالتوں میں مستعار ہوتی ہے، کبھی الف کی صورت، جیسے رَاس، کبھی واوٗ کی صورت جیسے یُؤمِنُون اور کبھی یاء کی صورت جیسے بِئرٌ و ذِئبٌ وغیرہ اور کبھی ہمزہ بے صورت ہوتا ہے جیسے دِفْءٌ ،مِلْءٌ ۔

اس حرف کی ادائیگی میں طرح طرح کے نقائص میں ابتلاء ہوتا ہے، بعض تو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ سن کر ذوقِ سلیم کو تنفر ہوتا ہے، وجدان ثقالت اور بوجھ محسوس کرتا ہے، بعض اسے پُر ادا کرتے ہیں جو کہ بالکل غلط ہے، بعض اس کو تحقیق کے قصد سے مشدّد کر دیتے ہیں جبکہ حرفِ مد کے بعد آتا ہے جیسے یاَیُّھَا ـــــ یہ حرام ہے، عموماً اس حرف کو تسہیل و تخفیف سے ادا کرتے ہیں یہ بھی جائز نہیں (الّا یہ کہ کسی لفظ میں روایۃً تسہیل و تخفیف ثابت ہو)

ہمزہ کو تحقیق کے ساتھ عمدگی سے ادا کرنا چاہیے، خاص طور پر جب کہ ہمزہ مکرر آوے جیسے ءَاَنْذَرْتَھُمْ ،نیز جب اس کے بعد الف آئے، جیسے اٰتیٰ ، اٰیات وغیرہ۔ اس وقت اس طرح نہ ادا کیا جائے جیسے اُبکائی اور قے کرتے وقت آواز ہوتی ہے، اسی طرح جب اس کے بعد پُر حرف آئے جیسے: اللہ ،اَللّٰھُمّ ،الطّلاق ، اَصْطَفٰی، اَصْلَحَ وغیرہ۔ نیز جب اس کے بعد اس کا ہم مخرج حرف یا قریب المخرج حرف آجائے جیسے، اِھْدِنَا ، اَھْدیٰ ، اَعُوْذُ، اَعْطٰی ،اَحَطْتُّ ، اَحَق وغیرہ، نیز جب اس سے پہلے حرف مد ہو تو صاف ادا نہ ہونے سے یاء ہو جائے گا، جیسے کَلَّا اِنَّ ، قَالُوْا اِنَّ وغیرہ۔ اسی طرح جب یہ ہمزہ مضموم یا مکسور ہو اور اس کے بعد یا اس سے پہلے ضمہ یا کسرہ ہو تو صاف ادا نہ ہونے سے یا اختلاس سے بچانا چاہیے، جیسے بَارِئِکُمْ ، سُئِلَ ، مُتَّکِئِیْنَ ، اُعِدَّتْ وغیرہ۔

وقف کی حالت خفّت کا تقاضہ کرتی ہے ہر حرف میں تخفیف ہو جاتی ہے مگر حرف ہمزہ ساکن ہو کر ثقیل ہو جاتا ہے، پس وقف بالاسکان کی حالت میں اس کا اظہار صاف طور پر ہو، ادائیگی میں رہ نہ جائے خاص طور پر جب یہ کلمہ کے آخر میں ہو اور اس سے پہلے کوئی حرف علّت ـــــ یا حرف صحیح ساکن ہو، جیسے مِنَ السَّمَاءِ، مِنْ شَئٍ ، السُّوْء ، السَّیِّءُ، اَلْمُسِیْٓءُ اور مِلْءُ ،دِفْءٌ، الْخَبْءَ، اسی وجہ سے امام ہشام نے ہمزۂ متطرفہ کو متوسطہ پر

وقفاً ترجیح دیا ہے۔اور جب یہ ہمزہ متطرفہ منصوب ہو تو الف سے بدل کر وقف کرتے ہیں تا کہ ہمزہ متطرفہ رہ نہ جائے —— جیسے مَلْجَأً، دُعَاءً ، نِدَاءً وغیرہ۔(تفصیلات دیکھئے باب ''وقف علی الھمزۃ لحمزۃ و ھشام'' میں)

پس ہمزہ کی ادائیگی کی جانب بطورِ خاص توجہ کی ضرورت ہے، کم ہی صحیح ادائیگی ہوتی ہے۔اس کی صحتِ ادا کے لیے مشق و ریاضت کی ضرورت ہے۔

الھاءُ حرف ہاء ایک خفی اور ضعیف حرف ہے، لیکن باوجود اس خِفا کے اگر اس کی صفت ہمس اور رخو نہ ادا ہو گی تو یہ ہمزہ ہو جائیگی اسی طرح اگر ہمزہ کی صفتِ شدّت و جہر نہ رہے تو یہ ہاء ہو جائے ، کیونکہ دونوں کا مخرج ایک ہے، اسی وجہ سے اہل عرب ایک کو دوسرے سے بدل دیتے ہیں ، مَاءٌ کو ماهٌ ، ارقت الماء ، و ھرقت الماء وغیرہ۔ ایک مخرج کے دو حرفوں میں اختلاف آواز صفات کے ذریعے ہوتی ہے۔حرف ہاء کے خِفا کی وجہ سے اس میں صلہ اور اشباع کے ذریعہ قوت پیدا کی جاتی ہے۔

ہاء میں ضعیف صفات کے اجتماع کے باعث ضروری ہے اس کو صاف اور واضح ادا کرنا۔اگر آواز میں قوت نہ پیدا کی جائیگی تو تلفظ میں معدوم بھی ہو سکتا ہے۔

اسی طرح اگر دو ہاء جمع ہو جائیں خواہ ایک کلمہ میں ہوں جیسے وُجُوهُهُمْ ، يُلْهِهِمُ، یا دو کلمے میں ہوں جیسے فِيهِ هُدىً وَاعْبُدُوهُ هٰذا۔دو ضعیف حروف کے یکجا ہو جانے کی وجہ سے دونوں کو الگ الگ صاف ادا کرنا مزید ضروری ہو جاتا ہے۔ایسا نہ ہو کہ عجلت میں ایک ادا ہو اور ایک رہ جائے ، نیز یہ کہ ادائیگی میں بہت ، مبالغہ ہو کر آواز ثقیل نہ ہو جائے۔

اگر ہاء کے بعد الف ہو تو ہاء کی صفت ترقیق کی حفاظت ضروری ہے، جیسے هٰٓاَنْتُمْ ، هٰٓؤُلَآءِ وغیرہ ، اسی طرح جب کوئی پُر حرف پاس ہو جیسے ظَهَرَ وغیرہ ، اسی طرح جب دو الفوں کے درمیان واقع ہو تو تین خفی حروف کے اجتماع کے باعث اظہار و بیان مزید ضروری ہو جاتا ہے، جیسے بَنٰاهَا، طَحٰهَا وغیرہ ، اور اگر الف سے پہلے ہاء ہو تو یہ بیان اور اظہار مؤکد ہو جاتا ہے، جیسے مُنْتَهٰهَا۔اسی طرح ہاء سے پہلے حا ہو تو اس وقت ہاء کا تحفظ

ضروری ہے جیسے سَبِّحْهُ، احتیاط نہ کرنے میں ایک دوسرے سے بدل بھی سکتے ہیں اور ادغام بھی ہوسکتا ہے، اسی طرح اس کے برعکس ہاء کے بعد حا ہوتو بھی دونوں کا اظہار خوب ہونا چاہیے۔ جیسے وَمَا قَدَرُوا اللّٰه حَقَّ قَدْرِهٖ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ، فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ، کامل احتیاط نہ ہونے سے ہاء حا سے بدل سکتی ہے اور دو حاء ہوسکتی ہیں یا ادغام ہوسکتا ہے۔ اسی طرح عین سے پہلے ہاء ہوتو تحفظ ضروری ہے جیسے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ، وغیرہ۔

اور اگر ہاء ساکن ہو اور اس کے بعد کوئی دوسرا حرف آرہا ہو تو بھی وضاحت و بیان ضروری ہے جیسے يَسْتَهْزِئُ، عَهْدًا وَ الْعِهْن وغیرہ، اسی طرح حاء کے بعد ہاء ساکن ہو جیسے يا نُوْحُ اهْبِطْ، وغیرہ۔

العین

حرفِ عین کو ادا کرتے وقت اس کی صفت جہر کی رعایت اور وضاحت ہونی چاہیے، ورنہ وہ حاء ہو جائے گا، اس لیے کہ بہت زیادہ فرق اور بُعد حاء سے نہیں ہے، یہ صفت جہر اور کچھ شدت (کیونکہ یہ حرف عین متوسطہ ہے) نہ ہوتیں تو عین، حاء ہو جاتا، یہی حال حاء کا بھی ہے کہ اگر صفتِ ہمس اور رخواس میں نہ ہوتیں تو ہاء عین ہو جاتا۔

اگر عین کے بعد مہموسہ حرف آجائے جیسے تَعْتَدُوْا اور الْمُعْتَدِيْن تو عین میں ترقیق اور صفتِ جہر اور (کچھ) شدت کا اظہار ضروری ہے۔

اسی طرح اگر عین کے بعد الف ہو جیسے الْعٰلَمِيْنَ تو عین کو لطافت سے ادا کرنا ضروری ہے اور الف میں ترقیق —— بعض کا اس حالت میں تفخیم سے ادا کرنا غلطی ہے۔ جب دو عین جمع ہو جائیں جسے اَنْ تَقَعَ عَلَى، وَيَنْزِعُ عَنْهُمَا، فُزِّعَ عَنْ وغیرہ۔ تو بھی دونوں کو الگ الگ صاف صاف ادا کرنا ضروری ہے۔ تنہا ایک حرف حلقی کا تلفظ زبان سے آسان نہیں چہ جائیکہ مکرر آویں، اس میں صعوبت اور زیادہ ہے، کہ ایک حرف کے بعد پھر اسی حرف (یا اس کے مشابہ حرف) کی ادائیگی زبان کے لیے ثقالت اور صعوبت کا باعث ہے اور یہ محسوسات اور مشاہدات میں سے ہے، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک جگہ پاؤں رکھ کر دوبارہ پھر اسی جگہ (جہاں سے پاؤں اٹھایا ہے) پاؤں رکھنا —— ظاہر ہے یہ

مشکل اور ثقیل ہے۔(رعایہ ص:۱۶۲)

اسی طرح ساکن عین کے بعد ہاء آجائے تو عین کا اظہار وحفاظت ضروری ہے تاکہ حاء سے قریب ہو کر مدغم نہ ہو جائے اور حاءِ مشدّدہ کی طرح نہ ہو جائے، جیسے اَلَمْ اَعْهَدْ، فَاتَّبِعْهَا، فَبَايِعْهُنَّ، وَلَاتُطِعْهُ۔ اسی طرح ساکن عین کے بعد غین آئے تو عین کا اظہار و بیان ضروری ہے کیونکہ قرب مخرج کے باعث زبان ادغام کی جانب سبقت کرسکتی ہے جیسے وَاسْمَعْ غَيْرَ۔

نیز واجب ہے کہ عین جب مشدد ہو تو ادا کرتے وقت بالکلیہ آواز بند نہ ہو، جیسے يَدُعُّ الْيَتِيْمَ، يُدَعُّوْنَ، دَعًا، کیونکہ آواز بند ہو جانے سے عین بالکلیہ شدیدہ ہو جائے گا، یہ حرف بینیہ اور متوسطہ ہے لہٰذا کچھ آواز جاری رہے۔

الحاء حاء کو ادا کرتے وقت پورے طور پر اس کے مخرج وصفات کا لحاظ کرنا چاہیے، حاء کو عین کے ساتھ اتحاد مخرج کے باعث مشابہت ہے، خلیل ابن احمدؒ "کتاب العین" میں فرماتے ہیں:

"ولولا بحّة في الحاء لا شبهت العين لقرب مخرجها من العين" (ج:۱ ص:۵۷)

یعنی اگر حاء میں صفتِ بحّہ نہ ہوتی تو قربِ مخرج کی وجہ سے عین کے مشابہ ہوتا (بحّہ حاء کی ایک آواز کا نام ہے معنیٰ ہے گلے کا گھٹنا، آواز کا سخت ہونا، موٹا ہونا پیچھے گذر چکا ہے) قربِ مخرج یعنی اتحادِ مخرج، اور صفات میں بھی متقارب ہیں، اسی وجہ سے حاء اور عین کلامِ عرب میں کلمہ واحد کے اندر ساتھ ساتھ نہیں ہوتے، ایسے کلمات نہیں بنتے، الا یہ کہ دو کلمے ملا کر لائے جائیں، جیسے حَیَّ عَلٰی یا یہ کہ دونوں حرفوں کے مابین کوئی حاجز وفاصل حرف ہو جیسے ایک شعر ؎

آلا رب طيف بات منك معانقي ☆ الى ان دعا داعيالفلاح حَيَعَلَا

اس شعر کے خط کشیدہ لفظ میں حاء اور عین کے مابین یا فاصل ہے۔

حاء کے بعد الف آئے جیسے حٰمٓ، الحاكمين، ولاحام وغیرہ تو حاء کو باریک رکھنا واجب ہے، اسی طرح حاء کے بعد عین (دو کلموں کے ملانے سے) آجائے جیسے

فلاجناحَ علیهما، والمسیح عیسیٰ، زُحزِحَ عَنْ تو حاء کا خوب اظہار ہونا چاہیے کیونکہ عین، حاء سے کچھ قوی ہے اس لیے حاء کو اپنے اندر جذب کرسکتا ہے اور حاء عین بن سکتی ہے، اور یہ جائز نہیں۔ کیونکہ یا تو دو عین کا تلفظ بلا ادغام کے ہوگا، یا یہ ادغام ہو جائے گا ، دونوں جائز نہیں (الّا یہ کہ امام ابو عمرو بصریؒ کے نزدیک بھی مشہور روایت میں صرف فَمَنْ زُحْزِحَ عَنْ میں)

حاء اور عین میں اتحاد مخرج کیوجہ سے مؤاخات ہے اسی وجہ سے اہل عرب ایک کو دوسرے سے بدل دیتے ہیں، جیسے ضبحتُ، ضبعتُ اور بحذاہ، بعذاہ وغیرہ۔

اسی طرح حاء ساکن ہو عین سے پہلے تو حاء کا تحفظ واجب ہے، ورنہ ادغام ہو جائے گا، جیسے فاصْفَحْ عَنْهُمْ، عجلت میں اکثر حاء بدل کر عین ہو جاتی ہے اور ادغام ہو جاتا ہے۔ یہ بالکل جائز نہیں۔

اسی طرح جب حاء کے بعد حاء آجائے تو الگ الگ حاء کا تحفظ ضروری ہے ورنہ ادغام ہو جائے گا جیسے لَا اَبْرَحُ حَتّٰی ، عُقْدَةُ النِّكَاحِ حَتّٰی۔ اسی طرح جب حاء ساکن ہو اور اس کے بعد ہاء آجائے تو بھی تحفظ اور احتیاط واجب ہے، حاء ہاء سے قوی ہے، خود میں جذب کرسکتی ہے اور عجلت سے ادغام ہو جائے گا، ایسا بے احتیاطی میں بہت ہوتا ہے، یہ بالکل جائز نہیں جیسے فَسَبِّحْهُ۔

اسی طرح جب حاء کے بعد حرف مستعلیہ آجائے تو حاء کو تفخیم اور پُر ہونے سے پوری توجہ کے ساتھ بچانا چاہیے جیسے اَحَطْتُّ اَلْحَقُّ وغیرہ اسی طرح دو مفخم حرفوں کے مابین آجائے تو اور بھی ضروری ہے کہ حاء کو پُر ہونے سے بچایا جائے، جیسے حَصْحَصَ۔

الغین غین میں صفتِ جہر ہے لہٰذا یہ احتیاط ضروری ہے کہ اس میں ہمس کا اثر نہ آجائے ورنہ خاء کے ساتھ التباس ہو جائے گا، کیونکہ مخرج ایک اور صفات میں (سوائے جہر و ہمس کے یعنی غین میں جہر اور خ میں ہمس ہے) دونوں متحد ہیں۔

غین کے بعد الف ہو تو غین کے مستعلیہ ہونے کی وجہ سے اسے پُر پڑھنا ضروری

ہے جیسے غَافِرِ ،غَاسِقٍ،اور جب حروف مستعلیہ مفتوح بغیر الف کے ہو تو اسکی تفخیم (مضموم سے اور مضموم کی مکسور سے) زیادہ ہوگی جیسے غَفُوْر ، غفار۔

اسی طرح غین کے بعد عین یا قاف ، یا ہاء آئے تو غین کو خوب واضح کرنا چاہیے ورنہ یا تو غین مخفی رہ جائے گا، یا مدغم ہو جائے گا، جیسے اَفْرِغْ عَلَيْنَا ، لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا ، وابلغه اسی طرح اگر غین ساکن کے بعد شین آئے تو غین کا اظہار و بیان واجب ہے، ورنہ خاء کے ساتھ صفتِ ہمس ورخو کے اشتراک کے باعث غین خاء سے قریب ہو جائے گا یا خاء ہی ہو جائے گا، جیسے یَغْشیٰ يَغْشَاكُمْ وغیرہ۔اسی طرح دیگر حروف کے پاس خاء کے ساتھ غین کی ادائیگی واضح طور پر کرنی چاہیے —— جیسے الْمَغْضُوْبِ ،يَغْفِرُ ،فَرَغْتَ ، واسْتَغْفِرْ ، وَاَغْطَشَ ،ضِغْثًا وغیرہ۔

الخاء خاء کو ادا کرتے وقت اس کی صفت ہمس کا خاص خیال رکھتے ہوئے صاف ادا کرنا چاہیے ، ورنہ صفتِ جہر کے سوا تمام صفات میں اشتراک کی بناء پر غین ہو جائیگی اور جب خاء کے بعد الف ہو تو خاء کو صفتِ استعلاء کی وجہ سے پُر کرنا چاہیے جیسے الْخَاسِرِيْنَ ، خَائِفِيْنَ وغیرہ۔اسی طرح اگر الف نہ ہو اور خاء مفتوح ہو تب بھی پُر ہو، مفخمات میں باہم مراتب اور درجات ہیں، تین درجات (ابن الطحان م ۵۶۰ھ کے بعد) یا پانچ درجات ہیں۔(ابن الجزریؒ)

خاء ساکن ہو تو اس کا تلفظ صاف ہو ورنہ غین سے بدل جائے گا، جیسے وَلَا تَخْشیٰ ، وَاخْتَارَ ،وغیرہ۔

محقق ابن الجزریؒ فرماتے ہیں، خَاشِعِيْن جیسی مثالوں میں خاء کے ساتھ الف نہ پُر ہو جائے ،الف کی تفخیم غلط ہے، محققؒ فرماتے ہیں کہ اس غلطی میں اچھے بڑے قراء مبتلا ہیں، اور الف کو پُر پڑھتے ہوئے سمجھتے ہیں کہ اسے بہت عمدہ ادا کیا ہے پس اسے ہاء، یاء کی طرح ادا کرنا چاہیے، جعبریؒ (م ۷۳۲ھ) کا ایک شعر اس بارے میں ہے:

وایاک و استِصحابَ تَفخِيمِ لفظِها ۞ اِلی الالفاتِ التالياتِ فَتَعثُرا

محقق کے شیخ، ابن الجندی (الایدغدی م ۷۶۹ھ) فرماتے ہیں کہ حرف استعلاء کے بعد الف کی تفخیم خطا ہے۔

القاف قاف اپنی قوی صفات کی وجہ سے قوی حرف ہے، خاص طور پر اس کی صفتِ جہر اور استعلاء کی ادائیگی کی جانب خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ اگر یہ دونوں صفتیں اس میں نہ ہوتیں تو کاف ہو جاتا، اور کاف میں صفتِ ہمس اور استفال نہ ہوتیں تو یہ قاف ہو جاتا، اور دونوں کے مخارج تو بالکل قریب ہیں ہی۔

اسی جانب سخاویؒ نے ''نونیہ'' میں اشارہ کیا ہے:۔

والقاف بین جهرها و علوها ❀ الکاف خلص همسها ببیان

ان لم تحقق جهرذاک، وهمس ذا ❀ فهما لا جل القرب یختلطان

یعنی باہم قرب مخرج کی وجہ سے ایک کی آواز دوسرے سے مختلط ہو جائے گی۔ کاف سے قریب ہو جانے سے بچانا چاہیے۔

جب دو قاف جمع ہو جائیں تو دونوں کا مکمل اظہار و بیان ہونا چاہیے جیسے حَقَّ قَدْرِہٖ، اَفَاقَ قَالَ ۔ وغیرہ۔

قاف جب ساکن ہو خواہ اصلی سکون ہو یا عارضی، تو اس کی صفت شدت کا مکمل اظہار کرتے ہوئے صفت قلقلہ کا پورا اظہار و بیان ہونا چاہیے، اگر ان دونوں صفتوں کا لحاظ نہ ہو گا تو قاف کاف ہو جائے گا یا کاف کے مشابہ ہو جائے گا، جیسے یَقْتُلُوْنَ اگر قلقلہ کی صفت نہ ادا کی گئی تو یَکْتُلُوْن ہو جائے گا، اسی طرح دوسری مثالیں بھی۔ اور قاف ساکنہ کا کاف میں ادغام کے بارے میں دو مذہب ہیں: (۱) ادغام ناقص مع اظہار تفخیم و استعلاء جیسے طاء کا تاء میں جیسے احَطْتُّ ، مَا فَرَطْتُّ ، بَسَطْتَّ اَلَمْ نَخْلُقْکُّمْ۔ یہ مذہب مکیؒ وغیرہ کا ہے (رعایہ ص ء:۱۷۲) (۲) ادغام تام و کامل ۔ بغیر اظہار تفخیم پس مؤخر الذکر کاف مشدد ہو گا۔ محقق فرماتے ہیں دونوں صحیح ہیں، ادغام تام دانی وغیرہ کا مذہب ہے) ادغام ناقص مصریوں کا اختیار کردہ ہے اور ادغام تام شامیوں کا، اور اپنی پسند و اختیار کو لکھتے ہیں ''واختیاری

الثانی وفاقاً للدّانی وقیاساً عَلیٰ مذهب ابو عمرو "یعنی میں دانیؒ کی موافقت اور امام ابوعمرو بصریؒ کے مذہب پر قیاساً ثانی (ادغام تام) کو پسند کرتا ہوں۔ (التمہید ص:۱۳۹)

اسی طرح جب قاف کے ساتھ کاف جمع ہو جائے چاہے پہلے کاف ہو، یا پہلے قاف ہو تو دونوں کو خوب واضح طور پر الگ ادا کرنا چاہیے۔ جیسے خَلَقَ کُلَّ ، خَالِقُ کُلِّ، لَکَ قُصُوْراً ، بِکُفْرِکَ قَلِیْلاً وغیرہ۔

الکاف کاف کے سلسلے میں احتیاطی امور قاف میں اشارۃً آچکے ہیں۔ کاف کے بعد اگر حرف مستعلیہ آجائے تو اسے صاف ادا کیا جائے ورنہ قاف کے ساتھ ملتبس ہو جائے گا، جیسے کَطَيِّ السِّجِلِّ، کَالطَّوْدِ۔

اگر کاف مکرر آجائے تو دونوں کو صاف صاف الگ الگ ادا کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ مکرر ہونے کی وجہ سے ادائیگی مشکل ہو اور ادغام جیسا تلفظ ہو جائے، ایک کلمہ میں ہو یا دو کلموں میں جیسے مَنَا سِكَكُمْ ، مَا سَلَكَكُمْ ، نُسَبِّحَکَ کَثِیْراً ، وَنَذْكُرَكَ کَثِیْراً اِنَّکَ کُنْتَ وغیرہ (مظہرین کے لیے) جیسا کہ گذرا کہ اگر کاف کے بعد قاف آجائے جیسے عَرْشُکِ قَالَتْ وغیرہ تو کاف کا اظہار و بیان ضروری ہے۔

کاف ساکن ہو تو اس کی صفتِ ہمس کا خیال اور رعایت ضروری ہے جیسے لَا یَکْسِبُوْنَ وغیرہ بایں صورت عموماً تساہل ہوتا ہے۔ اگر کاف کسی ایسے موقع پر آجائے جہاں کسی اور لغت کے اعتبار سے اس کا ابدال قاف سے ہو سکے تو اس وقت کاف کا اظہار و بیان بہت ضروری ہے تاکہ ایک لغت سے دوسری لغت میں نہ منتقل ہو جائے، جیسے وَ اِذَا السَّمَاءُ کُشِطَتْ، اس لفظ کو حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قُشِطَت بالقاف پڑھا ہے۔ (التمہید ص ۱۴۰، رعایہ ص:۱۷۴)

الجیم جیم متحرک کی صفتِ جہر و شدت کو پوری توجہ کے ساتھ ظاہر کرنا چاہیے ورنہ جیم، شین ہو جائیگی یا شین کی آواز کے ساتھ مخلوط ہو جائے گی۔ کیونکہ دونوں ہم مخرج ہیں، جیسے اَلْمَرْجَان وغیرہ۔

جیم اگر ساکن ہو خواہ بسکونِ لازمی، یا بسکون عارضی تو اسے شین ہو جانے سے بچانا لازم ہے، بہت سے لوگ اس میں غلطی کرتے ہیں خصوصاً جب کہ جیم کے بعد زاء یا سین آئے یا اور کوئی مہموسہ حرف آجائے تو غلطی سے جیم کے اندر ہمس اور رخو پیدا کرتے ہیں، اور جیم کو زاء یا شین میں مدغم کردیتے ہیں، اور جیم کا تلفظ رہ جاتا ہے، جیسے والرّجزَ، اَخرَجَ شطأَہٗ، رِجساً، اِجتَنِبُوا، وَجْھَکَ، وَ لَا تَجْھَرُوْ غیرہ اور اُجاجٌ، فَخَرَاجُ وَقْفاً ان حالتوں میں جیم کی صفتِ جہر، شدت اور قلقلہ کا تحفظ ضروری ہے سخاویؒ، نونیہ میں فرماتے ہیں:

والجیم ان ضعفت اتتْ ممزوجة ❁ بالشّین مثل الجیّم فی المرجانِ

والعجل وَ اجتنبوا وَاَخرَجَ شَطْأَہٗ ❁ والرجس مثلا الرجز فی التبیان

اگر جیم مشدد ہو، یا مکرر—— تو جیم کو بقوت ادا کرنا ضروری ہے جیسے اَتُحَاجُّوْنّی، حَاجَجْتُمْ وغیرہ۔

اگر جیم مشدد کے بعد کوئی خفی اور ضعیف حرف مشدّد آجائے جیسے یُوَجِّھْہُّ، لُجِّيٍّ، بایں صورت جیم کو بھی صاف ادا کرنا چاہیے اور اسکے بعد کا حرفِ خفی مثالِ مذکور میں مخفی نہ رہ جائے، جیم کے بعد یاء مشدد کی ادائیگی آسان نہیں ہے۔ (التمہید ص:۱۱۶، رعایہ ص:۱۷۸)

الشین علامہ مکیؒ صاحبِ "رعایہ" نے شین کو جیم سے پہلے بیان کیا ہے، اس حرف کی صفت تفشی کو کامل طور پر احتیاط کے ساتھ ظاہر کرنا چاہیے، ورنہ جیم سے قربت کے باعث جیم سے بدل سکتی ہے، شین کی صفتِ تفشی کے تین مراتب ہیں، اعلیٰ یہ ہے کہ جب شین مشدد ہو جیسے فَبَشَّرْنٰهُ، الشّٰكِرِيْن، مِنَ الشَّيْطٰنِ، اوسط درجہ یہ ہے کہ بحالت سکون ہو جیسے وَاشْتَرَوْا، والرُّشْدُ، اور ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ متحرک ہو جیسے يَغْشٰى، يَخْشٰى شَجَرَةَ، شِئْنَا وغیرہ۔

بحالت وقف شین کی اس صفت پر مزید توجہ دینی چاہیے، اور اگر شین کے بعد جیم آئے تو واجب ہے کہ تلفظ میں خوب بیان و اظہار ہو، دونوں واضح اور الگ ہوں، ورنہ جیم چونکہ اختِ شین ہے بدل سکتی ہے، اور جیم شین سے قوی ہے، جیسے شَجَرَ، شَجَرت، اور

اگر شین کے بعد حرف مستعلیہ آجائے تو شین کو مستعلیہ کی مجاورت اور قربت کے باعث تفخیم سے بچانا چاہیے، جیسے شَطَطاً ، شَغَفَهَا وغیرہ۔

الیاء حرفِ یاء میں خِفاء کے ساتھ ثقل بھی ہے، یاء کی تین حالتیں ہیں ، (۱) مدہ (۲) لین (۳) متحرک —— یاء اگر مشدد ہو خواہ وسط میں ہو یا کلمہ کے آخر میں ہر حال میں یاء کے ساتھ اس کی تشدید کا اظہار ضروری ہے، جیسے اِیَّاکَ، اَلْقَیُّوْم،شَقِیّاً، شَقِيٍّ، وَلِيٌّ وغیرہ۔

علامہ سخاویؒ کے قصیدہ نونیہ کے شارح فرماتے ہیں کہ لفظ ایّاک کے سلسلے میں چھ احتیاطیں ذکر کی ہیں، (۱) ہمزہ کی ادائیگی میں ثقالت نہ ہو، (۲) شروع کرتے وقت ہمزہ کو شدتِ نَبرہ ،اور جھٹکے سے بچانا چاہیے، (۳) یاء کی تشدید ادا ہو، مخفف نہ ہو جائے، (۴) یاء کی ادائیگی میں جیم کی مشابہت نہ ہو جائے، (۵) الف پر سکتہ نہ ہو جائے، (۶) اِیّاک کے فتحۂ کاف میں اشباع نہ ہو جائے زبر کی مقدار بڑھ نہ جائے ، ایسا بہت سننے میں آتا ہے۔

یاء ساکنہ بعدِ کسرہ ہو اور اس کے بعد دوسری یاء آجائے جیسے فِیْ یُوْسُفَ ، اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ وغیرہ تو دونوں یاء خوب ظاہر ہوں، ادغام نہ ہو جائے ، پہلی یاء پوری بقدر ایک الف ادا ہو، نیز یاء مکسور کا مابعد ساکن ہو جیسے طَرَفَیِ النَّهَارِ ، یَدَیِ اللّٰهِ وغیرہ تو بھی یاء کو خوب صاف ادا کرنا چاہیے۔

یاء متحرک بالکسر یا بالفتح ہو، اس سے پہلے یا اس کے بعد فتحہ ہو جیسے تَرَیِنَّ ،مَعَایِشَ لَاشِیَةَ، وتَعِیَهَا وغیرہ تو ان صورتوں میں یاء اور اس کے ماقبل کی حرکت کو صحیح اور بسہولت ادائیگی ضروری ہے۔

اگر یا مکرر آجائے ، ایک کلمہ میں ہو یا دو کلمے میں جیسے وَاَحْیَیْنَا،اَنْ یُّحْیِیَ،لَا یَسْتَحْیِ، اَلْبَغْیِ یَعِظُکُمْ —— نیز یاء ساکن ماقبل مکسور ہو جیسے اَفَعَیِیْنَا تو دونوں کو خوب واضح الگ الگ ادا کرنا چاہیے۔ اور جب دو یاء میں سے ایک مشدّد مکسور ہو تو بطور خاص واضح ادائیگی ضروری ہے جیسے وَلِیِّ یَ اللّٰهُ،اَنْتَ وَلِیِّ، حُیِّیْتُمْ، اَلْغَیِّ، یَتَّخِذُوْهُ،

احتیاط کے ساتھ ادائیگی نہ ہونے سے ایک حذف ہوائیگی۔

اور یاء مشدّدہ موقوفہ بالاسکان یا بالاشمام ہو جیسے هُوَ الْحَيُّ، طَرْفٍ خَفِيٍّ ، بِمُصْرِخِيّ ، الْعَلِيُّ وغیرہ تو وقف کی حالت میں تشدید کی ادائیگی بطور خاص ہو ورنہ مخفف ہوکر تلاوت میں ایک حرف کی کمی ہو جائے گی۔ وصلاً تشدید کی وضاحت اگرچہ آسان ہے لیکن پھر بھی اس کی حفاظت ضروری ہے۔

اگر یاء مشدّد سے پہلے کوئی مشدد حرف آجائے جیسے مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ ، ذُرِّيَّاتِهِمْ ، رِبِّيُّوْنَ ، السَّيِّئَاتُ وغیرہ بایں صورت ثقالت اور صعوبت ہے ایسا نہ ہو کہ پہلی تشدید کی ادائیگی میں دوسری تشدید رہ جائے لہٰذا بہت ہی احتیاط کے ساتھ دونوں مشددات کی ادائیگی ضروری ہے۔

یاء مشدّدہ کی ادائیگی اہم ہے، اور مختلف اصول وقواعد ہیں اس پر ہی مستقل رسالہ لکھا گیا ہے، چنانچہ علامہ مکیؒ ایک کتاب بنام —— ''الیاء ات المشدّدة فی القرآن و کلام العرب'' لکھی ہے۔

یاء کے بعد کوئی پُر حرف آجائے جیسے يَصْطَرِخُوْنَ، يَضْرِبُوْنَ ، يَطْغىٰ ، يَغْفِرُ، يَرَىٰ وغیرہ توپُر حرف کی مجاورت کی وجہ سے یاء نہ پُر ہو جائے۔

الضاد اس حرف کا مخرج اوراس کی صفت استطالت کی تحت تفصیل گذر چکی ہے، جیسا کہ معلوم ہوا کہ یہ حرف متعدد وجوہ سے مشکل ترین حرف ہے زبانیں اس کی ادائیگی میں مختلف ہیں، کم ہی حضرات اسے صحیح ادا کرتے ہیں، شامی حضرات اور اہل شرق یعنی خلیج عرب اور جزیرۃ العرب کے لوگ ظا پڑھتے ہیں، جو قطعی طور پر ناجائز ہے، مراد کے بالکل خلاف معنیٰ ہو جاتا ہے مثلاً الضَّالِّيْنَ کو بالظاء پڑھنے پر معنیٰ ہو گیا الدائمین (بمعنیٰ دوام) جو بالکل مراد باری تعالیٰ کے خلاف ہے، محقق ابن الجزریؒ ''التمہید'' میں فرماتے ہیں کہ اسطرح نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ ضلال بالضاد، ہدایت کی ضد ہے اور ظلول بالظا بمعنیٰ صیرورۃ کے ہے جیسے ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وغیرہ۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے سین کو صاد سے یا

صادکوسین سے بدل دیا جائے اس مثال میں: وَاَسَرُّوا النَّجویٰ اور —— وَاَصَرُّوا وَاسْتَکْبَرُوْا ، پہلی مثال میں اَسَرُّوا ، سِرّ سے ہے ، اور دوسری مثال میں وَاَصَرُّوا اِصْرار سے ہے۔ (ص:۱۳۰)

ضاد کے بعد ظاء آجائے تو دونوں کو بالکل الگ الگ واضح کرنا ضروری ہے ضاد کا مخرج بالکل الگ ہے اور ظاء کا بالکل الگ، جیسے اَنْقَضَ ظَهْرَکَ ، یَعَضُّ الظَّالِمُ ، بَعْضَ الظَّالِمِیْنَ وغیرہ۔ ضاد کے بعد ظاء ہو اور یہ ظاء مشدّد ہو مثال ابھی گذری، تو بایں صورت تشدید کی وجہ سے ادغام کا اندیشہ تو نہیں رہتا، لیکن احتیاط پھر بھی رہے کہ ضاد، مثل ظاء کے نہ ادا ہو جائے۔

اگر ضاد ساکن ہو —— اور اس کے بعد کوئی مطبقہ حرف آجائے تو بدل جانے اور ادغام ہو جانے سے حفاظت ضروری ہے، جیسے فَمَنِ اضْطُرَّ، اِضْطَرُّہٗ ، اضْطُرِرْتُمْ وغیرہ۔ اسی طرح اور کوئی معجم حرف آجائے جیسے اَعْرَضْتُمْ ، اَفَضْتُمْ ، اِخْفِضْ جَنَاحَکَ ، قَیَّضْنَا ، وَلْیَضْرِبْنَ ، خَضِرًا ، فَضْلُ اللّٰه ، اَرْضَ اللّٰه ، الْاَرْضُ ذَهَبًا ، بَعْضَ ذُنُوْبِهِمْ وغیرہ۔

اسی طرح ضاد مشدّد ہو تو بھی وضاحت ضروری ہے، جیسے لَانْفَضُّوْا ، تَبْیَضُّ وغیرہ۔

جب مکرر، دو ضاد جمع ہوں تو تکرار کی ثقالت کے باعث دونوں کو بالکل الگ ادا کرنا چاہیے جیسے یَغْضُضْنَ ، وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ

علامہ سخاوی نے قصیدہ عمدۃ المفید وعدّۃ المجید فی معرفۃ التجوید" المعروف بہ "نونیہ" میں ان جیسے کلمات کی مشکل ادائیگی کے بارے میں تنبیہ فرمائی ہے۔

وَانبه عند التاء نحو اَفَضْتُمْ ❁ وَ الطّاء نحو اضْطُرَّ غیر جبانِ
والجیم نحو اخْفِضْ جَنَاحَکَ مثله ❁ والنون نحو یَحْضَّ قِسه وعانِ
والرا کَ وَ لْیَضْرِبْنَ او لام کَ فَضْ ❁ لُ اللّٰه بَیِّنْ حیث یلتقیانِ
وبیان بَعْضَ ذُنُوْبِهِمْ وَ اغْضُضْ وَ اَنْ ❁ قَضَ ظَهْرَکَ اعْرِف تکن ذا شانِ

اللّام | لام کے بعد الف کی ترقیق ظاہر ہے، پُر نہ ہو جائے لام کے بعد لامِ مفخّم (پُر لام) یا مطبقہ حروف میں سے کوئی حرف آجائے، خواہ لام مشدّد ہو یا مخفف جیسے:

قَالَ اللّٰه ،رُسُلُ اللّٰه تو لام اولیٰ کی ترقیق کی حفاظت ضروری ہے ، وَلَا الضَّآلِّيْن ، لَسَلَّطَهُمْ ، وَلْيَتَلَطَّف ، وَاغْلُظْ ۔وغیرہ اسی طرح اگر لام کسی مفخم اور پُر حرف کے بعد ہو جیسے وَبَطَلَ ، فَصَلَتِ العِيْرُ ، مَطْلَعِ الْفَجْرِ تو ان صورتوں میں لام کی ترقیق کا بطور خاص خیال رکھنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ پُر حرف کے پاس ہونے کے باعث لام بھی پُر ہو جائے۔

اور اگر لام ساکن ہو تو لام تعریف کے اظہار وادغام کا قاعدہ معروف ہے یعنی حروف قمریہ اِبْغِ حَجَّکَ وَ خَفْ عَقِيْمَهٗ میں سے کوئی حرف آئے تو اظہار اور حروف شمسیہ میں سے کوئی حرف آئے تو لام کا ادغام ہوگا، حروف شمسیہ ذیل کے بیت کے ابتدائی تیرہ حروف ہیں:

طب، ثم، صل، رحما، تفز ضف، ذا، نعم ۞ دَعْ، سوء، ظنّ، زُر، شريفاً، للكرمِ
ط ث ص ر ت ض ذ ن د س ظ ز ش ل

لام تعریف کے اظہار وادغام کا سبب بعد مخرج اور قرب مخرج ہے، (سوائے لام کے کہ تماثل سبب ہے) مزید تفصیل لام کی تفخیم وترقیق کے بیان میں آئیگی۔

اگر لام فعل ساکن کے بعد نون متحرک آجائے تو لام کا اظہار واجب ہے خواہ فعل ماضی ہو یا امر جیسے اَنْزَلْنَا ، جَعَلْنَا ، اَدْخِلْنِي ، وَجْعَلْنِيْ وغیرہ—— یا تاء آجائے جیسے فَلْتَقِمْهُ ، وَالْتَقَى ، فَلْتَقُمْ ، قُلْ کے لام کا اظہار بھی چار حرفوں کے پاس متفق علیہ ہے، نون، سین، تاء، صاد، جیسے، قُلْ نَعَمْ ، قُلْ نَارُ ، قُلْ سَمُّوْهُمْ ، قُلْ سَلَامٌ ، قُلْ تَعَالَوْا، قُلْ تَمَتَّعُوْا، قُلْ صَدَقَ اللّٰه ۔تین امور کا لحاظ اور اس سے احتراز ضروری ہے، (۱) لام کا اظہار ہو، لام رہ نہ جائے، ایسے بھی لوگ ہیں جو لام کو چھوڑ کر ادغام کر دیتے ہیں اَرْسَلْنَا جیسے الفاظ میں، کیونکہ قرب مخرج کی وجہ سے زبان ادغام ہی کی جانب بسرعت جاتی ہے۔

(۲) اظہار لام میں ایسی افراط نہ ہو کہ لام ساکن، متحرک ہو جائے یا قلقلہ کی کیفیت پیدا ہو جائے، ایسا بھی بہت ہو جاتا ہے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔ (۳) لام کو ظاہر کرنے اور ادغام سے بچنے کے لیے سکتہ نہ ہو جائے، اکثر حضرات سے یہ غلطی ہو جاتی ہے اس سے بھی اجتناب ضروری ہے۔

مشہور قاعدہ لامِ اللہ کی تغلیظ و ترقیق کے سوا، لام سے پہلے کوئی بھی حرف آئے تو لام کی ترقیق کا خیال رکھنا چاہیے۔ لام مکرر آجائے خواہ ادغام ہوا ہو یا بغیر ادغام کے تو لام کی ترقیق کی حفاظت بہرحال کی جائے، جیسے: غِلًّا لِّلَّذِیْنَ تجزیہ کیا جائے تو اس پر چھ لام جمع ہیں، اس کے سب لام کو باریک پڑھنا چاہیے، فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ، پانچ لام جمع ہیں، قُلْ لِّلَّذِیْنَ، وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ وغیرہ اس میں چار لام جمع ہیں، فَوَیْلٌ لَّهُمْ، جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ، اس میں تین لام جمع ہیں، بہرحال سب صورتوں میں لام کی ترقیق کی حفاظت اور جو مشدد ہو اس کی تشدید کی حفاظت ضروری ہے۔

النون نون کا مخرج لام سے قریب تر ہے، فرّاء نے اسی قرب کا لحاظ کر کے لام و نون (اور راء) کا مخرج ایک ہی بیان کیا ہے۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ منہ کے مخارج میں لام مقدم ہے یا نون، اسی قربت کی بناء پر اہلِ عرب بدل دیتے ہیں، جیسے هَتَنَتْ، هَتَلَتْ، سُدُنٌ، سُدُلٌ وغیرہ۔

نون حرفِ غنہ ہے اور میم کے مقابلہ میں اصل ہے، چنانچہ نون جب ساکن ہوتا ہے تو اس کا مخرج خیشوم ہوتا ہے (نونِ متحرکہ کے مخرج سے ادا نہیں ہوتا۔)

یہاں نون متحرک کا بیان ہے —— (نون ساکنہ کا بیان اظہار ادغام و اخفاء و قلب کے باب میں آئے گا)

نون کے بعد الف آئے تو پُر ہو جانے سے بچانا چاہیے، النَّاس، وَلَا نَاصِرٍ وغیرہ، نیز وقف کی حالت میں نون چھپ نہ جائے، اکثر وقف میں نون ظاہر نہیں ہوتا، توجہ سے نون کو ظاہر کرنا چاہیے، جیسے اَلْعٰلَمِیْنَ ○ یُؤْمِنُوْنَ ○ وغیرہ۔

جب نون مکرر آرہا ہو خواہ ایک کلمہ میں ہو یا دو کلمے میں تو دونوں کو خوب صاف صاف الگ الگ ظاہر کرنا چاہیے اور اگر پہلا مشدد ہو تو —— مزید تینوں کو واضح کر کے پڑھنا چاہیے، مثالیں —— سُنَنٌ، بِاَعْیُنِنَا، وَیَقُوْلُوْنَ نَخْشٰی، نَحْنُ نَتَرَبَّصُ، وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ وغیرہ۔

سورہ یوسف کے لفظ لا تأمنّا میں (قراءِ سبعہ کے لیے) دو وجہیں ہیں (۱) دونوں نون کے ادغام کے ساتھ اِشمام (تا کہ نونِ اول کی حرکت کی طرف اشارہ ہو جائے) (۲) اظہارِ نون کے ساتھ نونِ اول کی حرکت میں روم (اجتماعِ مثلین خود باعثِ ثقالت ہے پھر یہ کہ نونِ اول پر حرکتِ ضمہ ہے جو حرکات میں ثقیل تر ہے، اس لیے خفت کے لیے اظہار مع الرّوم ہوتا ہے)

الرّاء راء مشدّد ہو تو اس کی صفتِ تکریر ادا کرتے ہوئے تکرار سے بچانا چاہیے، جیسے الرّحمن ، الرّحیم ، وَ خرّ موسیٰ ، اشدُّ حرّاً وغیرہ۔ ادائیگی میں نرمی ہو اور اخفاء تکریر میں بھی مبالغہ نہ ہو۔

راء مکرر آئے اور پہلی مشدّد ہو یا مخفف ہو تو اس کی حفاظت بطور خاص ہو، جیسے مُحرَّراً ، وَخرَّ رَاکعاً ، شَھرُ رَمضَانَ ، فَتحرِیرُ رَقبةٍ ، بَشرٍر ، اُولِی الضَّرِرِ حرفِ راء کے بارے میں صفات کے بیان کے دوران صفتِ تکریر کے تحت تفصیل گذری۔

الطّاء تمام حروف میں طاء سب سے زیادہ قوی ہے، کیونکہ قوت جتنی صفات اس میں جمع ہیں کسی میں نہیں ہیں، یہ حرف جس حال میں آئے اس کو اس کی خاص صفتیں، استعلاء، اطباق کو پورے طور پر ادا کرنا چاہیے، خاص طور پر —— جب مشدّد ہو اور مکرر ہو تو ان دونوں حالتوں میں پوری توجہ ہونی چاہیے، جیسے قَالُوا طَّیَّرنَا ، اَنْ یَطَّوَّف، اِذَنْ شَطَطاً ، علَی اللّٰہ شَططاً۔

طاء ساکن ہو خواہ سکون لازمی ہو یا عارضی تو اس کی صفتِ اطباق ور قلقلہ کا تحفظ اور بیان ضروری ہے، جیسے اَلْخَطفَة ، اَلاَطفَالَ ، اَلاَسبَاطُ ، القِسطُ وقفاً۔

اور اگر طاء ساکن کے بعد تاء آئے تو ادغام ناقص ہوگا ناقص اس لیے کہ طاء قوی ہے تاء سے، قوی کا ادغام ضعیف میں ناقص ہوتا ہے، جیسے لَئِنْ بَسَطتَّ ، اَحَطتُّ، فَرَّطتُّ وغیرہ، اس میں ادغام ناقص کی حالت میں طاء میں قلقلہ نہ ہو جائے ورنہ ادغام ختم ہو جائے گا۔

بعض اہلِ عرب کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ان کلمات میں تاء کو طاء سے بدل کر ادغام تام کرتے ہیں احطُّ ، و فرَّطُّ ، ایک ہی مشدّد طاء، اسی طرح اگر طاء، ضاد اور صاد

کے بعد آئے تو بھی طاء کو اس کی صفتِ استعلاء اور اطباق کے ساتھ خوب واضح کیا جائے ورنہ تاء سے بدل جائے گا۔

شُرّاح ''نہایۃ الاتقان'' میں لکھتے ہیں کہ یہ مخلوق کے کلام میں تو جائز ہے، خالق کے کلام میں جائز نہیں ، کیونکہ ما ثبت عن النبیؐ ،طریقِ متواتر کے ذریعہ پیغمبر علیہ السلام سے ثابت شدہ کے خلاف کسی طرح کا تصرف کلامِ الٰہی میں جائز نہیں، مخلوق کے کلام میں لغت کے موافق بہت توسع اور گنجائش ہے۔

الدّال دال اور تاء دونوں ہم مخرج ہی نہیں بلکہ اکثر صفات میں مشترک ہیں، دونوں کے مابین صفتِ جہر اور صفتِ ہمس ہے جس سے امتیاز وافتراق ہوتا ہے، اگر دال کی صفتِ جہر کا تحفظ نہ ہوگا تو دال تاء ہو جائے گی۔

دال ساکن کے بعد تاء ایک کلمہ میں ہو یا دو کلمے میں، دال کا تاء میں ادغام واجب ہے، جیسے حَصَدْتُّم ، اَرَدْتُّم ، قَدْتَّبَيَّنَ ، وَلَقَدْ تَّابَ ۔وغیرہ۔

دال ساکن بسکونِ لازمی ہو یا بسکونِ عارضی ـــــ ضروری ہے کہ اس کی صفت قلقلہ، شدّت و جہر کو خوب ظاہر کیا جائے ، اگر سکون لازمی ہو خواہ ایک کلمہ میں ہو یا دو کلمے میں ـــــ اور اس کے بعد کوئی حرف آجائے خاص طور پر نون تو دال کا قلقلہ واضح رہنا چاہیے، جیسے لَقَدْلَقِینَا ، لَقَدْرَای ، اَلْقَدْرِ ، قَدْ نَرٰی ، وَعَدْنَا وغیرہ۔

دال ساکنہ میں قلقلہ کی صفت ادا کرتے ہوئے اس کا خاص لحاظ رہے کہ حرکت نہ ظاہر ہو جائے اور مشدّد ہو جائے۔ محقق ابن الجزری ''التمہید'' میں تنبیہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں،: ''کما یفعل کثیرٌ من العجم و ذالک خطأٌ فاحشٌ'' (ص:۱۲۲)

یہ عبارت اس لیے خاص طور پر نقل کی گئی کہ محققؒ کے زمانے ہی میں نہیں دورِ حاضر میں بھی بعض پڑھے لکھے معلم قراءت حروفِ قلقلہ دال اور باء میں اس طرح اس صفت کو ادا کرتے ہیں، پڑھاتے ہیں کہ حرکت کا اظہار ہوتا ہے، یہ غلطی اس لیے وجود میں آجاتی ہے کہ ان حروف کو ادا کرتے وقت صفت شدت و جہر کا لحاظ نہیں ہوتا، صرف صفتِ قلقلہ پیش

نظر رہ جاتی ہے، پس دالؔ، باؔء کی صفت قوّت وشدّت کے ساتھ قلقلہ ادا کیا جائے۔

نیز دالؔ میں قلقلہ ادا کرتے وقت تشدید نہ پیدا ہو جائے۔

دالؔ کا سکون عارضی ہو تو بھی قلقلہ اور شدّت کا بیان و اظہار ضروری ہے، ورنہ غفلت سے تاؔء ہو جائے گی۔

دالؔ مکرر ہو خواہ مخفف ہو یا مشدّد ——— تو دونوں کو خوب صاف ادا کرنا چاہیے، کیونکہ تکرار کے باعث ادائیگی میں دقت ہوتی ہے جیسے، عَدَدَ سِنِينَ ، جُدَدٌ ، مَنْ يَّرْتَدِدْ ، يُمْدِدْكُمْ ، رَدَدْنَاهُ ، اُشْدُدْ ، مُمَدَّدَةٌ ، وَعَدَّدَهُ۔ وغیرہ۔ اندیشہ ہے کہ دالؔ میں خِفارہ جائے گا، یا ادغام ہو جائے گا۔

مُزْدَجَرٌ، وَازْدَجِرَ ،اور تَزْدَرِیْ جیسے کلمات میں جن میں دالؔ تاؔء سے بدلی ہوئی ہے، ان میں بھی بیان و اظہار لازم ہے ان الفاظ کی اصل مُزْتَجَرٌ ، اُزْتُجِر، تَزْتَرِیْ ہے۔

اسی طرح دالؔ کو مفخّم ہو جانے سے بچانا چاہیے جب یہ کسی پُر حرف کے بعد آئے جیسے فِیْ صُدُوْرِ، يَصْدُرُ ، اَصْدَقُ خیال نہ کرنے سے دالؔ طاؔء ہو جائے گا۔

التّاء جب دو تاؔء جمع ہوں ایک کلمہ میں ہو یا دو کلمے میں جیسے تَتَوَفّٰهُمُ ، تَتْلُوْا ، كِذَتْ تَرْكَنُ ، اَنْتَ تُكْرِهُ ،اسی طرح اگر تین تائیں جمع ہوں جیسے الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا ——— تو سب کا پوری توجہ کے ساتھ اظہار ضروری ہے۔

تاؔء کے بعد کوئی حرف مطبقہ آجائے خاص طور، طاؔء تو اس وقت تاؔء کی صفت ترقیق کو خوب ظاہر کرنا چاہیے جیسے اَفَتَطْمَعُوْنَ ، تَطْهِيرًا ، تَصْلِيَةً وَ لَا تَظْلِمُوْن ، يَسْتَطِيعُ طاؔء آنے پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، کیونکہ تاؔء، اور طاؔء ہم مخرج ہیں، خیال نہ کرنے سے بدلجانے کا اندیشہ زیادہ ہے، نیز تاؔء خوب باریک رہے، طاؔء کی مجاورت اور قربت کے باعث تاؔء پُر نہ ہو جائے۔

تاؔء ساکنہ کے بعد طاؔء، دالؔ اور تاؔء آجائے تو ادغام ظاہر ہے جیسے وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ ، اُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا ، رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ ،اسی طرح اگر تاؔء اور طاؔء کے مابین کوئی حرف حائل

ہوجائے تو پوری توجہ کے ساتھ تاء کو باریک کرنا چاہیے ورنہ طاء کے پاس ہونے کی وجہ سے وہ حائل، درمیانی حرف پُر ہوسکتا ہے، جیسے اِخْتَلَطَ وغیرہ، پس تاء اور لام دونوں باریک رہیں۔

اگر تاء سے پہلے طاء ساکنہ ہو تو ادغام ناقص ہوگا یعنی تاء سے پہلے طاء کی صفتِ اطباق کو باقی رکھ کر ادغام کیا جائے گا، اس کا تعلق مشق وتمرین سے ہے، اس کی ادائیگی پر قدرت جلدی حاصل نہیں ہوتی، اسے صحیح ادا ماہر مجوّد ہی کرسکتا ہے۔ جیسے بَسَطْتَّ، فَرَّطْتُّ، اَحَطْتُّ، کیونکہ طاء قوی ہے اور تاء ضعیف ہے، اس لیے ادغام کامل اور تام نہیں ہوگا۔ ان مثالوں میں طاء کی صفت کو باقی رکھنے کے لیے تشدید کا سہارا ہے۔

بعض قراء تاء ساکنہ کو ادا کرتے ہوئے سین کی کیفیت پیدا کرلیتے ہیں، اس سے بھی احتراز ہونا چاہیے (شرح، نہایہ، الاتقان)

الصاد | صاد اور سین ہم مخرج ہیں، نیز صفت ہمس اور صفیر میں خاص طور پر ہم صفت، لہٰذا صاد کو سین سے ممتاز کرکے صاف ادا کرنا چاہیے، صاد کو صفتِ استعلاء اور اطباق کا خاص لحاظ رہے۔

صاد کے بعد کوئی حرف مطبقہ مثلاً طاء آجائے یا دوسرا صاد آجائے تو صاد کی ادائیگی میں کامل توجہ رہے، نیز بایں صورت زیادہ دشواری نہیں ہے، جیسے اَصْطَفٰی، یَصْطَرِخُوْنَ، اَلْقَصَصِ وغیرہ۔

اسی طرح صاد کے بعد دال آجائے تو بھی صاد کو صاف ادا کرنا چاہیے۔ خیال نہ کرنے سے زاء ہوجانے کا اندیشہ ہے، چنانچہ حمزہؒ و کسائیؒ کے نزدیک اختلاط اور اشمام صاد کا زاء کے ساتھ ہوتا ہے، جیسے اَصْدَقُ، یُصْدِرُ وغیرہ۔

اسی طرح صاد کے بعد تاء آئے جیسے حَرَصْتُمْ، حَرَصْتُ تو بایں صورت صاد کا صحیح تلفظ اور صاف ادائیگی پر توجہ کی ضرورت ہے خیال نہ کرنے سے سین ہوجائے گا۔

السین | سین، اور صاد و زاء یہ تینوں ہم مخرج ہیں اور متعدد صفات میں بھی شریک ہیں، اس لیے سین کو خوب باریک ادا کرنا چاہیے تاکہ صاد نہ ہوجائے، خاص طور پر

جب سین ساکن ہو اور مزید جب اس کے بعد جیم ہو، کیونکہ سین کی صفت ہمس کا خیال نہ کرنے سے زاء ہو جائے گی و اسْجُدُوا ، الْمَسْجِدُ ، يُسْجَرُوْنَ وغیرہ۔ سین اور زاء کے مابین امتیاز اسی صفت ہمس اور جہر کے ذریعہ ہوگا کہ سین میں ہمس ہے اور زاء میں اس کی ضد جہر ہے۔

اسی طرح اگر سین ساکنہ یا متحرکہ کے بعد کوئی مطبقہ حرف آ جائے تو سین کو باریک رکھنے کے لیے پوری توجہ ہونی چاہیے، ورنہ سین، صاد ہو جائیگی۔ بَسْطَةً ، مَسْطُوْراً ، لَمْ تَسْطِعْ ، وَاَقْسِطْ ، وَسَطاً، يَبْسُطُ، بَاسِطٌ ، تُقْسِطُوْن ، اَوْسَطِ، بَسَطَ اللّٰه وغیرہ۔ اور یہ واضح رہے کہ سین میں صفت صفیر زیادہ ہوگی، بنسبت صاد کے کیونکہ صاد میں صفتِ اطباق کی وجہ سے قوت آ جاتی ہے۔

اور ایسے الفاظ کی سین کو بھی اہتمام کے ساتھ باریک ادا کرنا چاہیے جن الفاظ کے مشابہ دوسرے الفاظ میں صاد آتا ہو ورنہ بڑا نقصان واقع ہوگا، جیسے وَاَسَرُّوْا (یونس) اور وَاَصَرُّوْا (نوح) يُسْحَبُوْنَ (غافر) يُصْحَبُوْن (انبیاء) قَسَمْنَا (زخرف) اور قَصَمْنَا (انبیاء) تَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْراً (طور) اور تَصِيْرُ الْاُ مُوْرُ (شوریٰ:٥٣)

الزّای زاء، سین سے بہت قریب ہے، مخرج اور صفتِ صفیر کی وجہ سے۔ زاء کی صفتِ جہر کو خاص طور پر ادا کرنا چاہیے تاکہ سین سے ممتاز رہ سکے۔ زاء کے بعد جیم اور تاء اور دال آ جائے تو بھی زاء کو صاف ادا کرنا چاہے خیال نہ کرنے سے زاء سین سے بدل جائے گی، جیس يُزْجِىْ لَكُمْ ، يُزْجِىْ سَحَاباً ، مُزْجَاةٍ (اور زاء سے پہلے جیم ہو تو بھی صاف ادا ہو جیسے رِجْزاً ، وَ الرِّجْزَ وغیرہ) كَنَزْتُمْ ، تَزْدَرِىْ ، وَازْدَادُوا وغیرہ۔

اور زاء مکرر ہو تو بھی دونوں کو صاف صاف ادا کرنا چاہیے، جیسے فَعَزَّزْنَا وغیرہ۔

الظّاء جیسا کہ واضح ہے کہ ظاء اور ضاد میں بڑی مشابہت ہے اس لیے جب ظاء، ضاد کے ساتھ آ جائے تو دونوں کو الگ الگ مخرج سے خوب واضح کرنا چاہیے، جیسے اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ، يَعَضُّ الظَّالِمُ غیرہ، پہلے پوری وضاحت کے ساتھ ضاد ادا ہو، پھر پورے فرق کے ساتھ ظاء ادا ہو، نیز ظاء کو صفتِ استعلاء و اطباق کے ذریعے خوب مفخّم ادا کیا

جائے، ورنہ ہم مخرج ہونے کی وجہ سے ذال ہو جائے گا۔

اور خاص طور پر کوئی مشابہ لفظ، ظاء اور ذال سے مرکب ہو اور دونوں کے الگ معنیٰ ہوں تو دونوں الفاظ کو بالکل واضح کرنا ضروری ہے، ورنہ دوسرے معنیٰ کی طرف منتقل ہو جائے گا، جیسے وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا — اس میں ''مَحْظُورًا'' بالظاء، بمعنیٰ ممنوع ہے، اگر ظاء کی یہ دونوں ممیز صفتیں — استعلاء و اطباق نہ ادا ہوں گی تو یہ لفظ مشابہ ہو جائے گا ''اِنَّ عَذابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا'' بالذال کے، جو حَذَر سے ہے۔

اگر ظاء ساکنہ کے بعد تاء آجائے جیسے اَوَعَظْتَ تو ظاء کو خوب واضح ادا کرنا چاہیے اور ادغام سے بچانا چاہیے۔

الذّال ذال کی صفت استفال اور انفتاح کی واضح ادائیگی کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

ذال کے بعد کوئی مفخّم اور پُر حرف آرہا ہو تو ذال کی ترقیق کا دھیان رہے ورنہ پُر حرف کی مجاورت کے باعث ظاء سے بدل جائے گا۔ جیسے ذَرْهُمْ، ذَرْنِي، ذَرَّةٍ اور الْاَذْقَانِ خصوصاً لفظ مُنْذِرِيْنَ، مَحْذُورًا، اور ذَلَّلْنَاهَا میں کیونکہ خیال نہ کرنے سے اپنے مشابہ الفاظ اَلْمُنْظَرِيْنَ، مَحْظُورًا اور وَ ظَلَّلْنَا سے بدل جائیں گے، اسی طرح اگر ذالِ ساکنہ کے بعد نون آجائے تو بھی خاص خیال رہے ورنہ نون میں مدغم ہو جائے گا، جیسے وَاِذْنَتَقْنَا، فَنَبَذْنَاهُ، اَخَذْنَا وغیرہ، اسی طرح کوئی مہموسہ حرف آجائے تو بھی احتیاط رہے، ورنہ ذال ثاء سے بدل جائے گا، جیسے وَاذْكُرُوْا، اسی طرح ترقیق میں مبالغہ سے بھی بچنا چاہیے ورنہ ثاء ہو جائے گا۔

اور تکرار کی صورت میں دونوں ذالوں کو الگ الگ واضح ادا کرنا چاہیے جیسے ذِي الذِّكْرِ وغیرہ۔

الثّاء ثاء کو ادا کرتے وقت جہری کیفیت نہ پیدا ہونے پائے ورنہ ذال کا تلفظ ہو جائے گا، کیونکہ مخرج دونوں کا ایک ہے۔ ثاء مکرر آئے تو بھی وضاحت اور صفائی ضروری

ہے ورنہ یا تو ایک چھپ جائے گی یا مدغم ہو جائے گی، جیسے ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ ،حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُم وغیرہ اسی طرح کسی حرفِ مستعلیہ سے پہلے ثاء ہو تو بھی ثاء کو خوب ظاہر کر کے پڑھا جائے ثاء ضعیف حرف ہے اور حرفِ مستعلیہ قوی ہے جیسے یُثْخِنَ ، یَثْقَفُوْکُمْ ، وغیرہ، اسی طرح ثاء کے بعد راء اور نون آویں تو بھی ثاء کو واضح کرنا چاہیے، جیسے اَعْثَرْنَا ،لَبِثْنَا وغیرہ۔

الفاء | فاء کے بعد میم یا واؤ آجائے تو فاء کو خوب صاف ادا کرنا چاہیے جیسے تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۔ وَ لَا تَخَفْ وَلَا ،وغیرہ اسی طرح جب فاء مکرر آجائے خواہ ایک کلمہ میں، خواہ دو کلموں میں، تو بھی دونوں کو خوب واضح الگ الگ ادا کرنا ضروری ہے ورنہ ادغام ہو جائے گا جیسے فَلْیَسْتَعْفِفْ ، اَنْ یُّخَفِّفَ ،اور تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْھِھِمْ ، خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ، کَیْفَ فَعَلَ وغیرہ۔

الواوَ | حرف واوَ مضموم ہو یا مکسور ہو اسے خوب صاف ادا کرنا وجب ہے جیسے وُجُوْہٌ ، تَفٰوُتٍ ، وِجْھَۃٌ ۔واوَ مضموم کے بعد دوسرا واوَ ساکنہ آجائے جیسے وُوْرِیَ ، ھَل یَسْتَوٗنَ ، وَ اِنْ تَلْوٗا وغیرہ تو خوب اظہار ہونا چاہیے، اسی طرح واوَ ماقبل مفتوح کے بعد دوسرا واوَ آجائے ،جیسے عَصَوْا وَّ کَانُوْا ، ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ، ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا وغیرہ تو دونوں کا ادغام مع اظہارِ تشدید ضروری ہے۔اور اگر واوَ ساکنہ سے پہلے دوسرا واوَ آ جائے تو خوب وضاحت ہونی چاہیے جیسے اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا وغیرہ ،اسی طرح واوَ ساکن ما قبل مضموم ہو اور اس کے بعد واوَ آجائے تو دنوں الگ الگ ادا ہوں ، ورنہ ادغام ہو جانے کا اندیشہ رہے گا۔جیسے اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوْا ، وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا، قَالُوْا وَھُمْ وغیرہ۔سخاویؒ اپنے نونیہ میں فرماتے ہیں:۔

فِیْ یَوْمِ مع قَالُوْا وَ ھُمْ وَ نَظِیْرُ ذا ۞ لا تدْ غمُوا یا معشر الاخوان

بہر حال واوَ کے بعد واوَ آجائے اور دونوں واوَ جس حال میں بھی ہوں ان کا حق خوب ادا ہونا چاہیے۔

الباء جب دو باء جمع ہوں اور متحرک ہوں تو دونوں کو خوب صاف الگ الگ ادا کرنا چاہیے جیسے لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وغیرہ ایک کلمہ میں ہوں جیسے سَبَبًا ،وَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ ، وغیرہ اور اگر پہلی ساکن ہو تو ادغام ہو جائے گا جیسے وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ ، وغیرہ اور باء ساکن ہو خواہ بسکون وضعی واصلی ہو یا عارضی تو اس صورت میں اس کی صفتِ قلقلہ کو صحیح ادا کرنا ضروری ہے، نیز اس حرف کی صفتِ شدّت اور جہر کی بھی پوری رعایت ہونی چاہیے۔

المیم میم ساکنہ کے بعد دوسری میم آئے اور اس کے بعد واؔو یا فاؔء آجائے تو خوب صاف ادا کرنا چاہیے، جیسے هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ ، هُمْ فِيهَا ،وغیرہ۔ اور جب کلمہ میں متعدد میم جمع ہو جائیں اور ان میں کوئی مشدّد ہو اور کوئی غیر مشدّد تو سب ہی کو واضح ادا کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ کوئی ایک رہ جائے جیسے اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ ، وَ عَلٰى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ وغیرہ، دو میم ہوں اور ادغام نہ ہوا ہو تو صاف ادا ہوں، جیسے يَعْلَمُ مَا ، وَاضْمُمْ،وغیرہ۔

حروف مشددہ کی ادائیگی

مشدد حرف کی تشدید کو پوری قوت اور شدت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے، اگر کمی رہے گی تو ایک حرف کی کمی رہ جائے گی۔ خواہ یہ تشدید اصلی اور وضعی ہو یا مدغم کی تشدید، اسی طرح کلمہ واحدہ میں ہو جیسے رَبَّ، عَلَّمَ وغیرہ یا دو کلمے میں ہوں جیسے مِنْ لَّدُنْهُ ، مِنْ رَّبِّهِمْ وغیرہ اگرچہ ان میں باہم فرق رہے گا، یعنی مدغم کی تشدید میں شدت وقوت ذرا کم ہوگی مشدد کی تشدید سے، اسی طرح راء مشدّد کی تشدید میں بھی کمی رہے گی تاکہ اس کی صفتِ تکریر متاثر نہ ہو، جو کہ لازمی اور اہم ہے۔

اسی طرح لامِ جلالہ اللہ جس سے پہلے فتحہ یا ضمہ ہو، اس کی تشدید میں تمام مشددات سے زیادہ قوت وشدت ہوگی، کیونکہ تشدید میں جتنی کمی رہے گی، اتنا ہی اس لفظ کے ادغام میں کمی رہ جائے گی —— اور ادغام کی کمی سے لامِ جلالہ کی تفخیم میں نقص رہ جائے گا اور یہ معلوم ہے کہ لامِ

جلالہ کی تفخیم تعظیماً ہوتی ہے پس نتیجہ یہ ہوگا کہ لامِ جلالہ کی تعظیم میں کمی ہو جائے گی۔

ادائیگیٔ تشدید میں مراتب ہیں

(۱):-مشدّد بغیر غنہ میں بھی تشدید کامل اور اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔

(۲):-مشدد حرف، حرفِ غنہ ہو تو اس میں شدت دوسرے درجہ کی ہوگی۔

(۳) نون ساکن ،تنوین اور حرفِ مستعلیہ کے ادغام ناقص میں تشدید کی ادائیگی تیسرے درجہ کی ہوگی ، درمیان میں غنہ کے حائل ہو جانے سے مخرج میں گرفت کمزور ہو جاتی ہے، اس لیے اس کی شدت میں کمی رہے گی جیسے مَنْ يُّؤْمِنُ، مِنْ وَّرَآئِهِمْ ، اَحَطْتُّ ، اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ ،دُرِّيٌّ يُّوْ قَدُ اس آخری مثال میں تین مشددات جمع ہیں پس راء کی تشدید یاء اولیٰ سے زیادہ ہوگی اور یائے اولیٰ کی تشدید یاءِ ثانیہ سے کچھ زیادہ ہوگی۔

الحاصل حرفِ مشدد کو پوری قوت سے ادا کرنا چاہیے وصلاً ہو یا وقفاً —— وقف کی حالت میں زیادہ خیال رکھنا چاہیے، کیونکہ وقف ایک مشکل حالت ہے، ذراسی غفلت سے حرف مشدّد، مخفف ہو جائے گا، مزید یہ کہ حرف مشدّد اگر شدیدہ حروف میں سے ہے تو اس میں شدت دوگنی ہوگی بمقابل کسی رخوہ مشدّدہ کے۔

اسی طرح حروف قلقلہ اگر مشدّد ہوں تو اس بات کا لحاظ رہے کہ قلقلہ کی لوٹتی ہوئی آواز تشدید کی تاخیر کے بعد ہو، اگر ایسا نہ ہوگا تو مشدد، مخفف ہو جائے گا، یہ تساہل ہو جاتا ہے، اس لیے احتیاط کرنا چاہے، جیسے خَفِيٌّ o عَدُوٌّ o الحَقّ (مزید تفصیل کے لیے فتح الرحمٰن شرح خلاصۃ البیان از المقری محمد صدیق صاحب سانسرودی، ملاحظہ کی جائے)

حرکات الحروف فی نطق المجہول والمعروف

حرکات زبر، زیر، پیش کی صحیح ادائیگی

ایک عرصہ سے حرکتِ ضمہ وکسرہ کے معروف مجہول سے متعلق درج ذیل سوالات آتے رہے، چندروز پہلے بھی مدارس سے ایک صاحب نے یہاں آکراسی قسم کے سوالات کئے۔

☆ معروف ومجہول کیا چیز ہے؟

☆ قرآن کریم کی حرکات کومعروف پڑھنا کیسا ہےاورمجہول پڑھنا کیسا ہے؟

☆ مجہول پڑھنے میں کیا خرابی ہے، کیااس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟

☆ متقدمین میں سے اس بارے میں کسی نے لکھا ہےتو حوالہ کیا ہے؟

☆ بہت سے لوگ مجہول پڑھتے ہیں، ان کی تلاوت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

فتنہ کہاں سے

دنیا کے کچھ علاقے اوربعض ممالک ایسے تھےجن کی اپنی زبان میں مجہول حروف اورحرکات کی بھرمار ہے، یہی ان کی ہروقت کی بول چال اور لکھنے پڑھنے کی زبان ہے، پھر ان علاقوں اور ملکوں میں آمد و رفت، ان سے ربط و تعلق اور معاملات اوراختلاط کے باعث، دیگر علاقوں کے باشندے متاثر ہونے شروع ہوئے، جیسے ملک فارس، جن کی زبان فارسی، مجہول حروف اور مجہول حرکات کی حامل ہے۔ اسی طرح خراساں اورپھر ماوراءالنہر تک یہ صورت حال پہنچی۔

اردوزبان جو برّصغیر کی سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہے،اس کا بڑا ماخذ اور خمیر فارسی ہےاور متحدہ ہندوستان کی ایک طویل دورتک فارسی زبان سرکاری زبان تھی۔ لکھنے پڑھنے کی زبان تھی، یہ اردوزبان مجہولات سے بھلا کیوں کرمحفوظ اورخالی رہ سکتی تھی۔

عربی زبان جس میں مجہول حرف ومجہول حرکت کا سوال ہی نہیں، سرے سے مجہول تلفظ بلکہ اس کا تصوربھی خلافِ عربیت ہے،مگراس عجمی اختلاط کے اثراتِ بد سے محفوظ نہ

رہی اور مجہول تو مجہول، عربی زبان کا جو حرف ہی نہیں یعنی حرف ''گ'' ذرا دیکھئے زمانہ کی نیرنگیاں اور ستم شعاریاں کہ اہل عرب بے تکلف اس حرف غیر عربی کو استعمال کرنے لگے ہیں۔ ''جدہ'' کو ''گدّا''، ''قُل'' کو ''گل'' کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں۔

مگر حضراتِ عرب جن کے مردوں، عورتوں اور بچوں کی تہذیب، ان کی زبان کی حفاظت کی جاتی ہے، آپ جب چاہیں ان سے گفتگو کر کے سن سکتے ہیں، دیکھ سکتے ہیں، ان کی زبان، اس کا ایک ایک حرف خالص اور عمدہ تلفظ میں ڈھلا ہوا، مکمل معروف حرکات کے ساتھ نکلتا ہے، راقم الحروف کا خود تجربہ ہے۔

جو لوگ معروف ادا اور مجہول سے احتراز کے سلسلے میں متقدمین کی کتابوں کا حوالہ دریافت کرتے ہیں، یہ ان کی سادہ لوحی ہے، معلومات اور مطالعہ کی کمی کے باعث اس طرح کا سوال کرتے ہیں۔

تصانیف کا دور، صحابہ کرامؓ کے بعد بلکہ تابعین کے بعد شروع ہوتا ہے اور آغاز بھی ہوتا ہے تو احادیث کی تدوین سے۔ تجوید اور قراءات پر تصانیف تو اور بعد کی چیز ہے اور جیسا کہ ابھی اوپر گذرا، بعد کے ادوار، بہت بعد تک حروفِ عربیہ اور حرکات کو مجہول ادا کرنے کا تصور بھی نہ تھا، باہمی گفتگو ہو، کتابوں میں لکھی ہوئی عبارات ہوں، یہ عبارات کسی علم وفن سے متعلق ہوں، طلبہ اور اساتذہ عربی زبان میں لکھی ہوئی ہر عبارت معروف حروف وحرکت کے ساتھ ادا کرتے تھے کیوں کہ عربی زبان میں نہ کوئی حرف مجہول ہے نہ کوئی حرکت یہ تو عجمیت کی دین ہے۔ (دین بیائے مجہول) جس دور میں اس طرح کی کثافتوں کا وجود ہی نہ تھا، اس دور کا حوالہ طلب کیا جاتا ہے۔ یہ فتنہ تو بہت بعد کا ہے۔

فتنہ کی سرکوبی

اور جب سے اس فتنہ نے سر ابھارا، علماء نے اس کی سرکوبی کا انتظام کیا، تعلیماً وتدریساً بھی، تصنیفاً وتالیفاً بھی، حقیقتاً جس دور کو دورِ متقدمین کہا جاتا ہے، محقق ابن الجزریؒ اگرچہ اس کے بعد کے ہیں، مگر اب دورِ حاضر کے اعتبار سے آپ کا دور، متقدمین ہی کا دور سمجھا جائے گا۔ آپ نے ''المنح الفکریہ'' میں، سید محمد صدیق

خراسانی نے ''حقیقۃ التجوید'' (ص:۱۲) میں، ماضی قریب کی عظیم اور امام فن شخصیت المقری ضیاء الدین احمد الٰہ آبادی (م۱۳۷۱ھ) نے ''خلاصۃ البیان'' (۲) میں، اس کتاب کے شارح نے ''فتح الرحمٰن'' میں، حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا تھانویؒ (م۱۳۶۲ھ) نے اس مسئلہ کو اپنی مختلف کتابوں میں محققانہ انداز میں بیان کیا، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کردیا۔ محقق ابن الجزریؒ اپنی شہرۂ آفاق اور تحقیقی اعتبار سے بے مثال کتاب ''النشر فی القراءات العشر'' میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے، بعد کے سارے ہی قراءِ کرام اور مصنفین نے اپنی تصانیف میں پورے اہتمام کے ساتھ اسے نقل کیا ہے۔ (النشر، ج۲،ص ۳۰) ملا علی قاریؒ، (م۱۰۱۴ھ) جمال القرآن کے محقق شارح نے اس موضوع پر زبردست کتاب ''کمال الفرقان'' میں اور دیگر حضرات نے پوری وضاحت کے ساتھ اسے بیان کیا ہے۔

چہ باید کرد

کوئی ایک حرکت نہیں، بلکہ حرکاتِ ثلثہ میں سے دو حرکتیں ضمہ اور کسرہ کا مسئلہ ہے جو ہر لفظ میں آتا ہے اور ماحول مجہول پڑھنے کا بن گیا ہے، اس کی تصحیح کے لئے ہر ہر لفظ پر روک ٹوک کی ضرورت ہے، محنت زیادہ ہے، اتنی محنت کون کرے۔ دیکھا جاتا ہے کہ پڑھے لکھے لوگوں کی توجہ ہٹنے لگی ہے، معلمین تجوید کی جانب سے مداہنت ہونے لگی ہے، طبائع سہولت پسند ہوگئی ہیں، حتی کہ معروف ادائیگی کو اجنبیت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔

ضرورت ہے کہ اساتذہ اور معلمینِ تجوید و حفظ خود کو محنت کا عادی بنائیں، مستقل گرفت کریں، طلبہ کو آزاد نہ چھوڑیں۔

علم تجوید مشقی فن ہے

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ چیز صرف کتابوں میں لکھنے اور پڑھنے اور یاد کرلینے سے حاصل نہیں ہوگی، علم تجوید، قرآن کریم کو سنت کے مطابق یعنی جس طرح پیغمبر علیہ السلام نے صحابہؓ کو پڑھایا اور پڑھنے کا حکم فرمایا، اسی طرح پڑھنا، نیز حروفِ عربیہ کی صحیح ادائیگی کا تعلق مطالعہ سے نہیں ہے، اس کا تعلق محض مشق و تمرین سے ہے، بالمشافہ استاذ سے سن کر مشق کرنے اور سنانے سے حاصل ہوتی ہے۔

محقق ابن الجزریؒ فرماتے ہیں ۔

و لیس بینهٗ و بین ترکهٗ ☆ اِلَّا ریاضۃُ امرءٍ بفکّہٖ

محقق ابن الجزریؒ مقدمہ کے اس شعر میں یہی بتلا رہے ہیں کہ یہ علم خالص مشقی ہے۔

ہمارے زمانے میں حضرت مولانا المقری محمد طاہر رحیمی صاحب مدظلہٗ (خبر ہے کہ آپ کا انتقال ہوگیا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو رحمہ اللہ تعالیٰ) پاکستان (ولادت ۱۳۶۰ھ) ایک بڑی فاضل شخصیت ہیں۔ آپ نے ایک مجہول بدعتی شخص کے رسالہ ''کشف العقول لتحقیق المجهول'' کا بالتفصیل جواب اپنے رسالہ ''تنبیه المجهول بتحقیق المعروف'' میں دیا ہے۔ اس مسئلہ کو خوب مبرہن اور مدلل کیا ہے۔

حضرت تھانویؒ کا مقبول ترین رسالہ ''جمال القرآن'' کی مفصل اور محققانہ شرح کرتے ہوئے اس رسالہ کے مقامِ متن کی شرح میں پورے بسط و تفصیل کے ساتھ وضاحت کی ہے۔

''جمال القرآن'' کی شرح ''کمال الفرقان'' کی ضخامت بڑی سائز کے چھوٹے چھوٹے حرفوں میں دو سو دس صفحات پر مشتمل ہے، یہ شرح کیا ہے گویا پورا فن اس میں آگیا ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ کتاب جدید انداز پر طبع ہو کر عام ہو۔

آگے اس تحریر میں اسی جامع رسالہ سے خاصی مدد لی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ماتن اور شارح کو اپنی شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

جمال القرآن: ''قرآن شریف میں جہاں پیش آوے اس کو واوٴ معروف کی سی بو دے کر پڑھو اور جہاں زیر آوے اس کو یائے معروف کی بو دے کر پڑھو۔ ہمارے ملک میں پیش کو ایسا پڑھتے ہیں کہ اگر اس کو بڑھا دیا جائے تو واوٴ مجہول پیدا ہوتی ہے اور زیر کو ایسا پڑھتے ہیں کہ اگر اس کو بڑھا دو تو یائے مجہول پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات عربی زبان کے خلاف ہے، ایسا مت کرو...... '' الخ

کمال الفرقان کلامِ عرب میں عموماً اور قرآن مجید میں خصوصاً حرکات یعنی فتحہ، ضمہ، کسرہ کا تلفظ معروف ولطیف اور فصیح و باریک صورت میں ہے، نہ کہ مجہول و

شدید اور ناقص و غلیظ صورت میں۔

معروف حرکت اس تام پوری اور صاف حرکت کا نام ہے جو نہایت نفیس و عمدہ، کامل و خالص، فصیح و لطیف، باریک و سبک اور ہلکی ہو جسے سامع پوری صفائی سے سمجھ لے۔ جیسے اردو میں ''فوارہ'' کی حرکتِ فا کا فتحہ ''دوری'' میں دال کا ضمہ، ''کیل'' میں کاف کا کسرہ تامہ پڑھا جاتا ہے اسی طرح ''کَیْفَ سَوْفَ'' میں کاف اور سین کا فتحہ، تامہ پڑھنا چاہیئے، اس کی صحیح ادائیگی کا اصل معیار و مدار تو ماہر مجود، استاذِ کامل سے سننا اور بالمشافہ مشق کرنا ہے کیوں کہ یہ فن پورا کا پورا ادائی و کیفی و سماعی ہے نہ کہ محض علمی و کتابی۔

طریقۂ ادا فتحہ میں کامل انفتاحِ فم وصوت اور کسرہ میں کامل انخفاضِ فم وصوت اور ضمہ میں کامل انضمام شفتین اور ہونٹوں کی گولائی کے ساتھ، بلا مبالغہ بلا اِشباع فتحہ میں باریک الف کی اور کسرہ میں معروف یا اور ضمہ میں معروف واؤ کی خفیف سی بو دے کر ان کو ایسی پاکیزگی و عمدگی، لطافت و باریکی اور سلاست و فصاحت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے کہ ان حرکات میں الف، واؤ، یاء معروف کا نصف نصف حصہ شامل ہو، یعنی پیش میں واؤ معروف کی سی اور زیر میں یاء معروف کی بو دینے کا مطلب یہ ہے کہ پیش اور زیر میں واؤ اور یاء معروف کی قوت و صلاحیت ہو کہ ان کو اگر کھینچ دیں تو ان سے واؤ اور یاء معروف پیدا ہوں۔ نہ کہ واؤ اور یاءِ مجہول اور واؤ اور یاءِ معروف کی مثالیں ''نور''، ''جمیل'' اور واؤ اور یاء مجہول کی مثالیں ''مور'' اور ''درویش'' ہو سکتی ہیں۔

معروف حرکات کو ''حرکاتِ تامہ'' بھی کہتے ہیں اور ''مجہول حرکت'' وہ ناقص و نامکمل اور غیر واضح حرکت ہے جو موٹی، بھدی اور ناتمام ہو جس کے سننے سے طبعِ لطیف اور ذوقِ سلیم پر گرانی و کلفت ہو، سامع اسے پوری صفائی سے نہ سمجھ سکے بلکہ اس میں قدرے دوسرے کی حرکت کا شائبہ و اثر ہو، جیسے ''دوڑ''، ''کون''، ''سیر''، ''عیب'' اور ''موم''، ''کوس''، ''بیل'' اور ''جیل'' کی حرکت۔

حرکاتِ مجہولہ کو حرکاتِ ناقصہ اور شدیدہ بھی کہتے ہیں کیوں کہ یہ معروف کے خلاف

پوری طرح ظاہر کر کے نہیں پڑھی جاتی ہیں اور ان کی آواز موٹی اور بھدی ہوتی ہے۔

پس قرآن کریم کی تینوں حرکات معروف ہیں، مجہول قطعاً نہیں۔ مجہول پڑھنا درست نہیں، اس طرح پڑھنا اہل عجم کا طریقہ ہے جو عربیت کے خلاف ہے اور لحن جلی اور حرام ہے۔

شیخ محمد صدیق خراسانیؒ

حقیقۃ التجوید، ص ۱۲ میں شیخ محمد صدیق خراسانیؒ فرماتے ہیں:

"فالحركة نصف من حرف المد" یعنی حرکت حرفِ مد کا نصف ہے۔

پس جب حرکات، حروف مدہ کا نصف ہیں اور حروف مدہ معروف ہی کو کہتے ہیں جیسے "نُوحِيهَا" قرآن مجید میں تمام حرکات اور حروف معروف اور خالص منقول اور ثابت ہیں، اس لیے ان کا مجہول پڑھنا لغتِ عربیہ اور صفتِ قرآنیہ کے سراسر خلاف ہے، جو ہرگز درست اور جائز نہیں اسی بناء پر تمام قرّاء کا ہر زمانہ میں اور ہر قرن میں معروف پڑھنے پر اتفاق وتعامل رہا ہے، یہ ادا متواتر اور قطعی ہے۔

خراسانیؒ صاحب اپنی اسی کتاب میں آگے فرماتے ہیں:

"فالضمة العربية نصف من الواو العربية والضمّة العجمية نصف من الواو العجمية، والكسرة العربية نصفٌ من الياء العربية. والكسرة العجمية نصف من الياء العجمية، والفتحة نصف من الالف، الخ"

یعنی ضمۂ عربیہ واوِ عربیہ (معروفہ) کا اور ضمۂ عجمیہ واوِ عجمیہ (مجہولہ) کا اور کسرۂ عربیہ یاءِ عربیہ کا اور کسرہ عجمیہ یاءِ عجمیہ کا نصف حصہ ہے اور فتح الف کا نصف حصہ ہے۔

نشر کبیر للمحقق ابن الجزریؒ

جیسا اوپر گذرا، حرکاتِ مجہولہ کو حرکاتِ ناقصہ اور شدیدہ بھی کہتے ہیں، محقق ابن الجزریؒ "نشر کبیر" جلد ۲، ص ۳۰ میں اسی کے متعلق فرماتے ہیں:

"ولا يَجُوزُ فى القرآن بل هو معدوم فى لغة العرب، و انما يوجد فى لفظ عجم الفرس ولا سيما اهل خراسان وهو اليوم فى اهل ما وراء النهر ايضا"

یعنی فتحۂ شدیدہ قرآن میں جائز نہیں بلکہ عرب کی لغت میں معدوم ہے اور یہ عجم اہل فارس کے تلفظ میں عموماً اور خراسانیوں کی زبان میں خصوصاً پایا جاتا ہے اور آج کل ماوراء النہر میں یہی مروّج ہے۔

چوں کہ یہ اپنی لغت میں طبعی طور پر فتحۂ شدیدہ کے عادی ہیں اس لئے انہوں نے اس کو عربی لغت میں بھی استعمال کرنا شروع کردیا۔ ان کا یہ طریقہ کار قراءت میں بھی جاری ہوگیا، پھر ان کے سوا اور لوگوں نے اس بارے میں ان کی موافقت کی اور ان سے یہ وبا منتقل ہوتی ہوئی دوسرے اکثر شہروں میں بھی پھیل گئی۔

افسوس ہے کہ برصغیر ہندوپاک اور بنگلہ دیش میں اسی مجہول ادا کے عادی ہو گئے ہیں اور قرآن کریم میں بھی بعض اس کا تلفظ کرتے ہیں لیکن یہ قراءتِ قرآن میں یکسر ناجائز ہے، اسے ائمۂ کرام نے بنص صریح بیان کیا ہے۔

علامہ دانیؒ

ان میں سے علامہ دانیؒ (م ۴۴۴ھ) ہیں، آپ نے اپنی کتاب ''الموضح'' میں اسی طرح کا کلام کیا ہے۔

> ''فتح سے مراد ''فتح متوسطہ'' ہے جو فتح شدید اور امالۂ متوسطہ کے درمیان ہوتا ہے، یعنی اس کی آواز معروف، سلیس اور باریک اور فصیح ہوتی ہے اور قراءت میں فتح پڑھنے والے قرّاء کے ہاں اسی فتح متوسطہ کو استعمال کرتے ہیں۔''

فتح متوسطہ کو ترقیق کہتے ہیں:

علامہ دمیاطیؒ

علامہ دمیاطیؒ الشہیر بالبنّاء (م ۱۱۱۷ھ) اپنی عظیم الشان کتاب ''اِتحاف فضلاء البشر فی القراءات الاربع عشر'' میں رقم طراز ہیں:

> ''الفتح...... و ینقسم الیٰ شدید، وھو نہایۃ فتح الفم بالحرف و یحرم فی القرآن و انما یوجد فی لغۃ العجم...... الخ'' (ج۱،ص ۲۴۷،طبع جدید)

حافظ ابوشامہ المقدسی (م ۶۵۰ھ)

شارح شاطبیہ حافظ ابوشامہ المقدسیؒ اپنی کتاب اِبراز المعانی ص ۱۵۲،۱۵۱ میں لکھتے ہیں:

”وهو منقسم الی فتح شدید و فتح متوسط، فالشدید هو نهایة فتح القاری لفیه بلفظ الحرف الذی بعدہٗ الف و یسمّی التفخیم، والقراء یعدلون عنه ولا یستعملونه. و اکثر مایوجد فی الفاظ اهل خراسانؔ ومن قرب منهم، لان طباعهم فی العجمة جرت علیه فاستعملوه کذٰلك فی اللغة العربیة وهو فی القراءة مکروه معیب هٰذا قول ابی عمرو الدانیؒ فی کتاب ”الموضح“ الخ ماسبق میں ”النشر“ کی عبارت کے ترجمہ میں اس عبارت کا خلاصہ آگیا ہے۔

علامہ سیوطیؒ

سیوطیؒ اتقان میں النوع الثلاثون کے تحت لکھتے ہیں:

”فالشدید هو نهایة فتح الشخص فاه بذلك الحرف، ولایجوز فی القرآن بل هو معدوم فی لغة العرب“. (ج۱،ص۹۲)

یعنی شدید یہ ہے کہ تلفظ کرنے والا حرف کو ادا کرتے ہوئے اپنا منہ نہایت کشادہ کردے، یہ صورت قرآن میں جائز نہیں ہے بلکہ یہ عربی ہی میں معدوم ہے۔

عمدۃ الفقہ

مولانا زوّار حسین مجددی نقشبندیؒ اپنی کتاب ”عمدۃ الفقہ“ میں لکھتے ہیں:

”قرآن پاک کی حرکات کو معروف ادا کرنا چاہئے یعنی الف کا نصف فتحہ اور واو معروف کا نصف ضمہ اور یاء معروف کا نصف کسرہ ہے، بعض لوگ ضمہ کو واو مجہول کا نصف اور کسرہ کو یاء مجہول کا نصف پڑتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ کیوں کہ عربی میں واؤ مجہول اور یاء مجہول نہیں آتی الخ“،

ملا علی قاریؒ

”المنح الفکریة شرح المقدمة الجزریه“ میں باب المدات کے تحت فرماتے ہیں:

”اعلم ان الالف مرکب من فتحتین، والواو مرکب من ضمتین، والیاء مرکب من کسرتین فاذا اشبعت الفتحة یتولد منها الف— و اذا اشبعت الضمة یتولد منها الواؤ— و اذا اشبعت الکسرة یتولد منها الیاء. الخ“ (ص۵۵)

ملا علی قاریؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حرکات حروفِ مدہ کا نصف ہیں اور یہ

معلوم ہے کہ عربی میں حروفِ مدہ معروف ہیں۔ پس قرآن کریم میں فتحہ کو نصفِ الف اور ضمہ کو نصفِ واوِ معروف اور کسرہ کو نصف یاء معروف پڑھنا چاہیئے۔

صاحب غیاث

صاحبِ غیاث اللغات لفظ '' خَیمہ'' کے تحت لکھتے ہیں:

''خَیمَہ بالفتح صحیح و بالکسر خطاست، چرا کہ ایں لفظ عربی است و در عربی یاءِ مجہول نیامدہ''

یعنی خَیمہ بالفتح صحیح ہے اور بالکسر غلط ہے، کیوں کہ یہ عربی لفظ ہے اور عربی میں یاءِ مجہول نہیں آتی۔

شرح جواہر الترکیب

شرح جواہر الترکیب میں ضمہ و کسرہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''در عربی مجہول نیامدہ، مخصوص بپارسی ست''

یعنی عربی زبان میں ضمہ و کسرہ معروف ہیں، مجہول نہیں ہیں، یہ مخصوص ہے فارسی زبان میں

صاحبِ خلاصۃ البیان

شیخ القراء حضرت المقری ضیاء الدین صاحبؒ خلاصۃ البیان میں ارقام فرماتے ہیں:

''فالاصلیۃ العربیۃ کالمدۃ. و نصفھا لا ازید و لا انقص''

المقری محمد صدیق سانسرودی

اس کے شارح مولانا المقری محمد صدیق صاحب سانسرودی مدظلہٗ صدر شعبہ قراءت دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات، خلاصہ کی اس عبارت کے تحت فرماتے ہیں:

صاحبِ خلاصۃ البیان اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ حرکاتِ عربیہ خالصہ و اصلیہ تو معروف ہوتی ہیں، ان کو مجہول ادا کرنا قرآن کریم کی عربیت کو مخدوش کرنا ہے اور حرکات کی عربیت کو عجمیت سے بدلنا ہے، آگے لکھتے ہیں:

اور اس صورت میں ''غیر عربی سے امتزاج کی وجہ سے منزل من اللہ کے تو خلاف ہی ہے اور خلافِ نزول تلفظ کرنا یہ قباحت کیا کم ہے؟'' (فتح الرحمٰن، ص ۳۱۸)

مجہول پڑھنے میں قباحت اور خرابی

بڑی آسانی سے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ مجہول پڑھنے سے معنی تو نہیں بدلتا؟ عرض یہ ہے کہ

تغیر معنی کی حد تک قباحت پیدا ہو رہی ہو جب ہی اسے قبیح سمجھیں گے۔ ذیل کی مثالوں سے مجہولیت کی قباحت ملاحظہ کریں۔

اردو میں ''آئے'' بیائے مجہول سے مرد مراد ہوتا ہے اور ''آئی'' بیاء معروف سے عورت مراد ہوتی ہے، مجہول اور معروف ہی کی ادائیگی سے تو یہ فرق ہوا۔ اسی طرح ''شیر'' بیائے مجہول بمعنی درندہ اور ''شیر'' بیائے معروف بمعنی دودھ، اسی طرح ''چور'' بواوِ مجہول معنی چوری کرنے والا اور ''چور'' بواوِ معروف کیا معنی ہوا۔ تکان سے نڈھال وغیرہ۔ ایک مثال انگریزی کی لے لیجئے ''لفٹ'' بکسرۂ معروف بمعنی برقی زینہ اور ''لفٹ'' بکسرۂ مجہول بمعنی دائیں سمت یا مدد، تو اگر اس معروف و مجہول سے ان انسانوں کی زبانوں میں اتنا فرق ہو جاتا ہے تو عربی زبان جو ام الالسنہ ہے، جو نہایت حساس زبان ہے، معمولی فرق سے اس کی حالت بدل جاتی ہے اور پھر قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کی صفت ہے، اس کی ذات سے نکلا ہوا ہے اور عربی مبین، فصیح عربی میں نازل ہوا ہے، اس کی ہیئت اور کیفیت میں اس سے کوئی فرق اور کوئی قباحت نہیں ہوتی؟ زبان کی نزاکت کو اہلِ زباں ہی سمجھ سکتے ہیں۔

قابلِ غور

ایک روپئے کی چائے، چند روپئے کا کھانا، جو زبان سے گذر کر حلق سے پار ہو جائے تو اس کی قدر و قیمت کیا رہ جاتی ہے مگر اس ایک پیالی چائے میں یا کھانے کی پلیٹ میں ایک مکھی گر جائے تو کیا کرتے ہیں؟ حالاں کہ مکھی گر جانے سے چائے یا کھانا ناپاک نہیں ہو جاتا، لیکن یہ نہیں کرتے کہ پیالی یا پلیٹ میں پڑی ہوئی مکھی کو ایک طرف باقی رکھتے ہوئے چائے پی لیں یا کھانا کھا لیں، فوراً وہ مکھی نکال دیتے ہیں اور بعض تو اتنے نفیس الطبع ہوتے ہیں کہ پینا کھانا تو دور کی بات ہے، فوراً اُبکائی آجاتی ہے، قے ہو جاتی ہے۔ کیا کلامِ الٰہی، قرآن پاک کو اتنا بھی نازک نہیں سمجھتے کہ اس کے اندر مخارج (صحیح نہیں اس) کی مکھیاں، صفات (ادا نہیں ہوتیں اس) کی مکھیاں، حرکات کی مجہول ادا کی مکھیاں پڑی رہیں اور طبیعت میں کراہت پیدا ہو، سن کر برا نہ لگے، اسے صاف کرنے کرانے کی مساعی نہ ہوں، آخر یہ کیا بات ہے، حقیقت یہ ہے کہ زبان کی نزاکت اور حساسیت کو اہلِ زبان ہی سمجھ سکتے ہیں۔ کاش اس کی کراہت کو ہم سمجھ سکیں۔ حرکات، حروف کی صفات ہیں،

حروف کا لباس ہیں، پس جس طرح انسان اپنے جسم کو صحیح وسالم اور صاف ستھرا رکھتا ہے تو ساتھ ہی اپنے جسم پر پہنے ہوئے ہر لباس کو صاف ستھرا رکھتا ہے، کٹنے پھٹنے سے محفوظ رہتا ہے، کپڑا سلاتے وقت صحیح ناپ کے لئے انچ ٹیپ کے ساتھ کس قدر اہتمام کرتا ہے، اسی طرح چاہئے کہ حروف کی حرکات کی ادا بھی بالکل صحیح اور عربیت کے مطابق رہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ جب مجہول پڑھنا لحنِ جلی ہے تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی تو جنہوں نے اب تک مجہول پڑھا ہے ان کی نمازوں کا کیا ہوگا؟

ان سادہ لوحوں کو کون سمجھائے کہ ہر لحنِ جلی سے نماز فاسد نہیں ہوتی، لحنِ جلی کی ان صورتوں میں نماز فاسد ہوتی ہے جن سے فسادِ معنی لازم آتا ہے۔ مگر واضح رہیکہ کراہت سے خالی نہیں۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ فلاں صاحب اتنے بڑے عالم اور بزرگ بھی مجہول پڑتے ہوئے سنے گئے تو انہیں کیا کہا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ــــــ خوب سمجھ لیجئے کہ مسائل کو کتاب سے ملانا چاہئے۔ شخصیات سے نہیں اور کتاب کو اہل علم و تحقیق سے سمجھنا چاہئے۔

دنیا میں کتنی ہی گمراہیاں اسی طرح تو پھیلیں کہ دینی امور میں کتاب کو پسِ پشت ڈال کر شخصیات کو سامنے کر دیا۔

لفظ مجہول کے مادہ میں جہل ہے یعنی مجہول پڑھنا جاہلانہ قراءت ہے، عجمی انداز ہے اور غیر زبان کے ساتھ امتزاج اور اشتراک بذاتِ خود منزل من اللہ کے خلاف ہے، آیت کریمہ "وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا" کے خلاف ہے، یقیناً اس کا مرتکب آثم اور گناہگار ہے۔

خوب واضح رہے کہ جب اس طرح کی ادا، عربیت کے خلاف ہے تو عربی زبان میں لکھی ہوئی کوئی عبارت ہو یا کوئی کتاب اسے بھی معروف ہی ادا کرنا صحیح ہوگا، یہ بات خواہ کسی کو کیسی ہی لگے مگر حقیقت یہی ہے کوشش اور سعی صحتِ ادا کی کرنی چاہئے نہ کہ اس طرح صحیح ادا بتلانے والوں کا مذاق اڑانا چاہئے۔

حرکات کی مجہول ادا اتنی عمومیت اختیار کر چکی ہے کہ عوام کی تو بات ہی کیا، خواص علماء بھی عموماً مجہول ہی ادا کرتے ہیں (الا ماشاء اللہ) معروف ادا تو اجنبی بنتی جا رہی ہے۔ اگر اتفاقاً کوئی بندۂ خدا حرکات و حروف کو صحیح عربی زبان کے پورے تقاضے کے ساتھ ادا کرتا

ہے تو سے بنظر حقارت و مذاق دیکھا جاتا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد ☆ جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

پھر عرض ہے کہ قرآن کریم وہی صحیح ہوگا جس طرح پیغمبر علیہ السلام سے پڑھ کر صحابہٴ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پڑھا اور امت کے سامنے پیش کیا۔ محقق ابن الجزریؒ فرماتے ہیں۔

والاخذ بالتجوید حتم لاَّزمٌ ☆ من لم یجود القرآن اثمٌ

لانهٗ به الا له انزلا ☆ و هکذا منه الینا وصلا

تجوید کیا ہے؟ سنت کے مطابق تلاوتِ قرآن، پیغمبر علیہ السلام کے عہد میمون و مبارک سے آج تک ہر دور اور ہر زمانہ میں مکمل تواتر کے ساتھ تمام قرّاء، علماء محققین اور فقہاء اور ائمہ نے اور ہر دور اور دائرے کے مشائخ واساتذہ نے قرآن کریم کی حرکات کو معروف طریقے ہی پر ادا کیا، امت کے تمام شیوخ کا اس پر اتفاق ہے واجماع اور تعامل رہا۔ کتبِ تجوید و قراءت اور فقہ ولغت سے بھی یہی ثابت ہے، خواہ اعتقاداً ہو، خواہ عملاً وعلماً ہو، کسی بھی مستند و معتمد مجود عالم اور فنِ قراءت کا کوئی بھی مصنف ایسا ایک بھی نہیں ملے گا جس نے مجہول ادائیگی کو صحیح بتایا ہو۔

بعض حضرات عدم مشق و مزاولت کے باعث بے تکلف معروف ادائیگی پر قادر نہیں ہوتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ اس نقص وعیب کو محسوس کر کے خوب مشق وتمرین کر کے اس کمی کو دور کریں۔ کلامِ الٰہی، ملک الکلام ہے، اس کا ایک ایک حرف ایک ایک حرکت انتہائی اعتناء اور خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ ان امور کو کسی معمولی عربی کتاب کا درجہ دے کر نعوذ باللہ نظر انداز نہ کریں، اس کی اہمیت اور عظمت کو دل سے سمجھیں، اس کے تقاضے کو ہر وقت پیش نظر رکھیں، اسی میں خیر ہے، دارین کی سعادت ہے۔

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه. و ارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه

اللہ تعالیٰ اپنے کلام عزیز کی حقیقی عظمت ہمارے دلوں میں اتار دے، اس کی کماحقہٗ تلاوت، اس پر پورے طور طریقے پر عمل کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

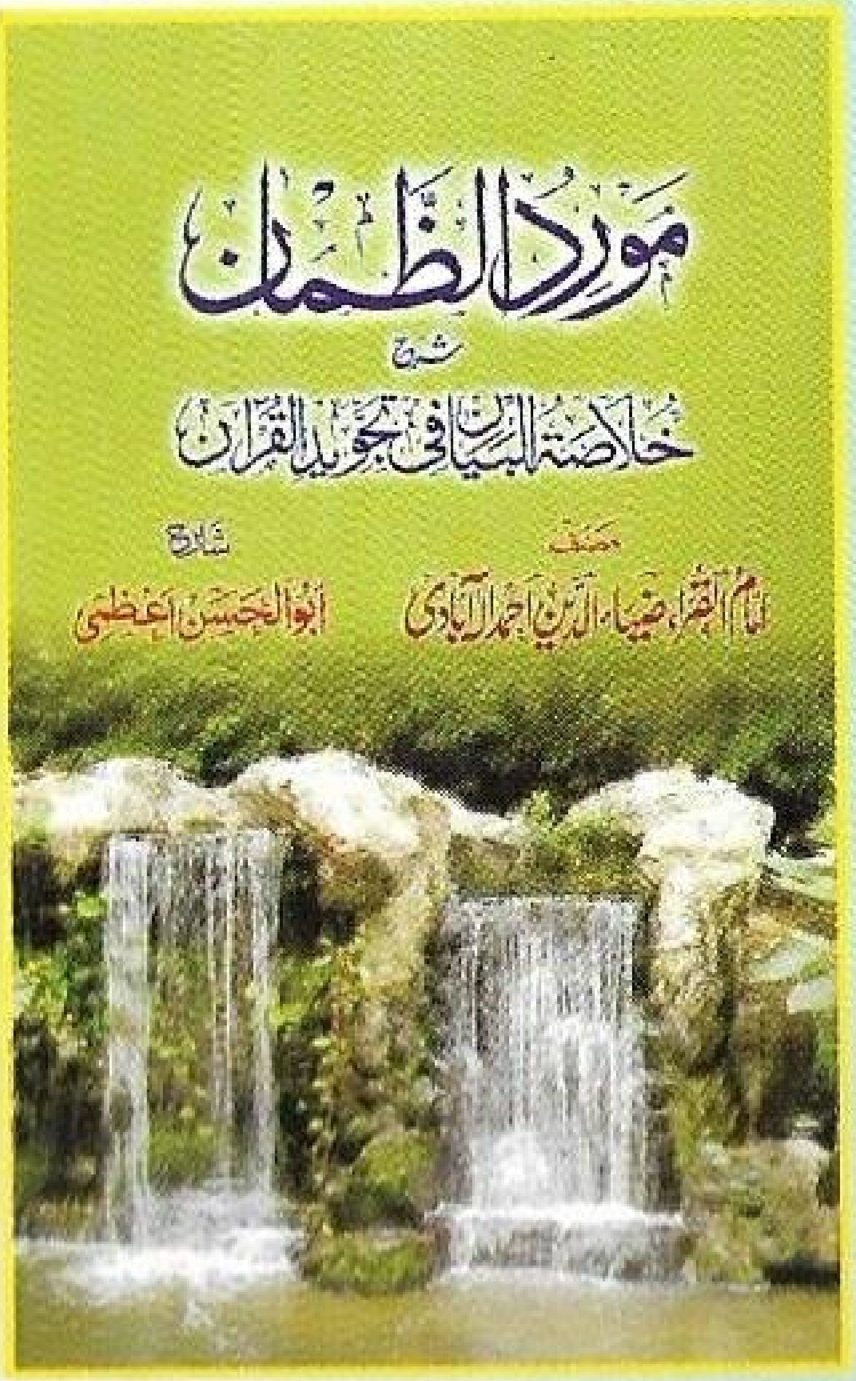

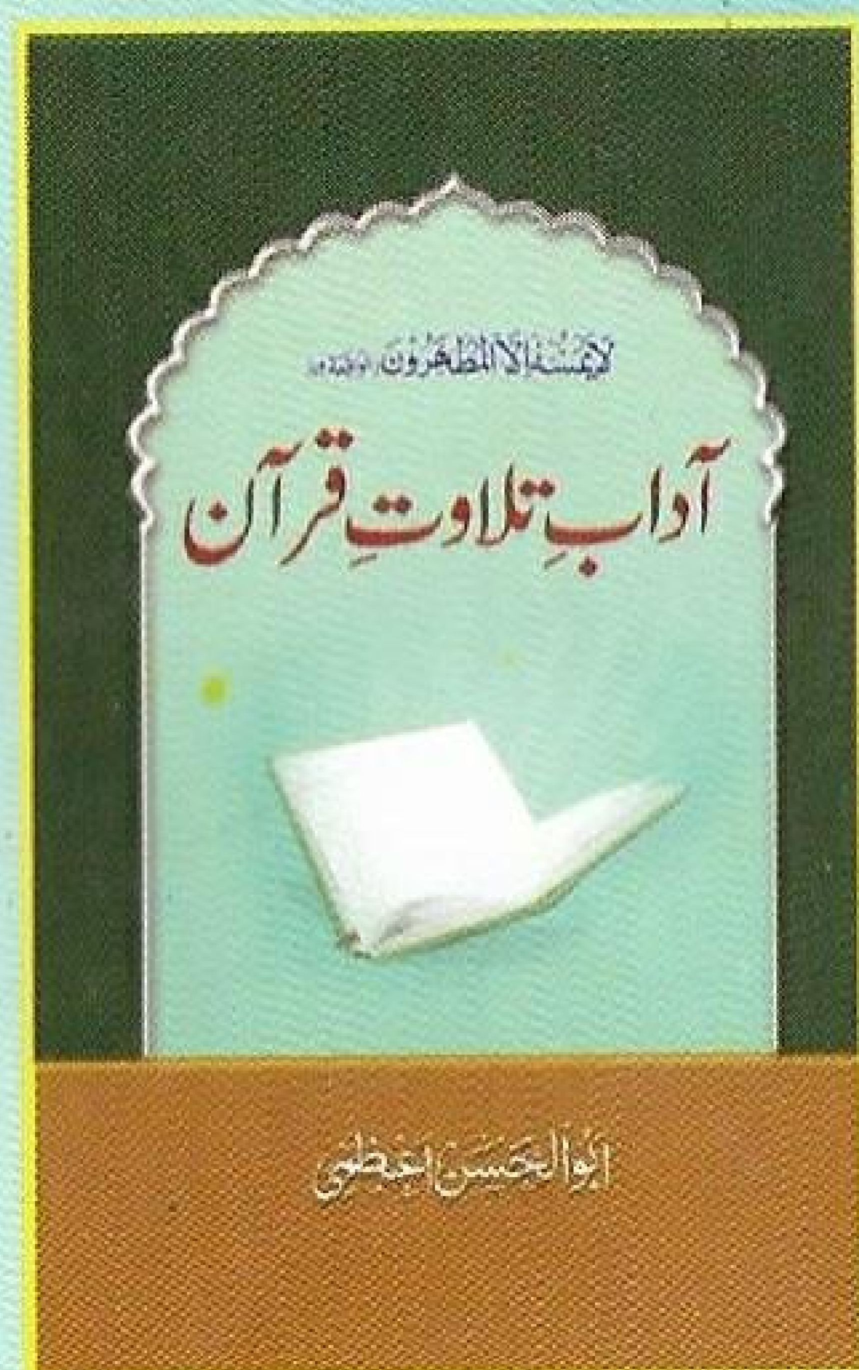

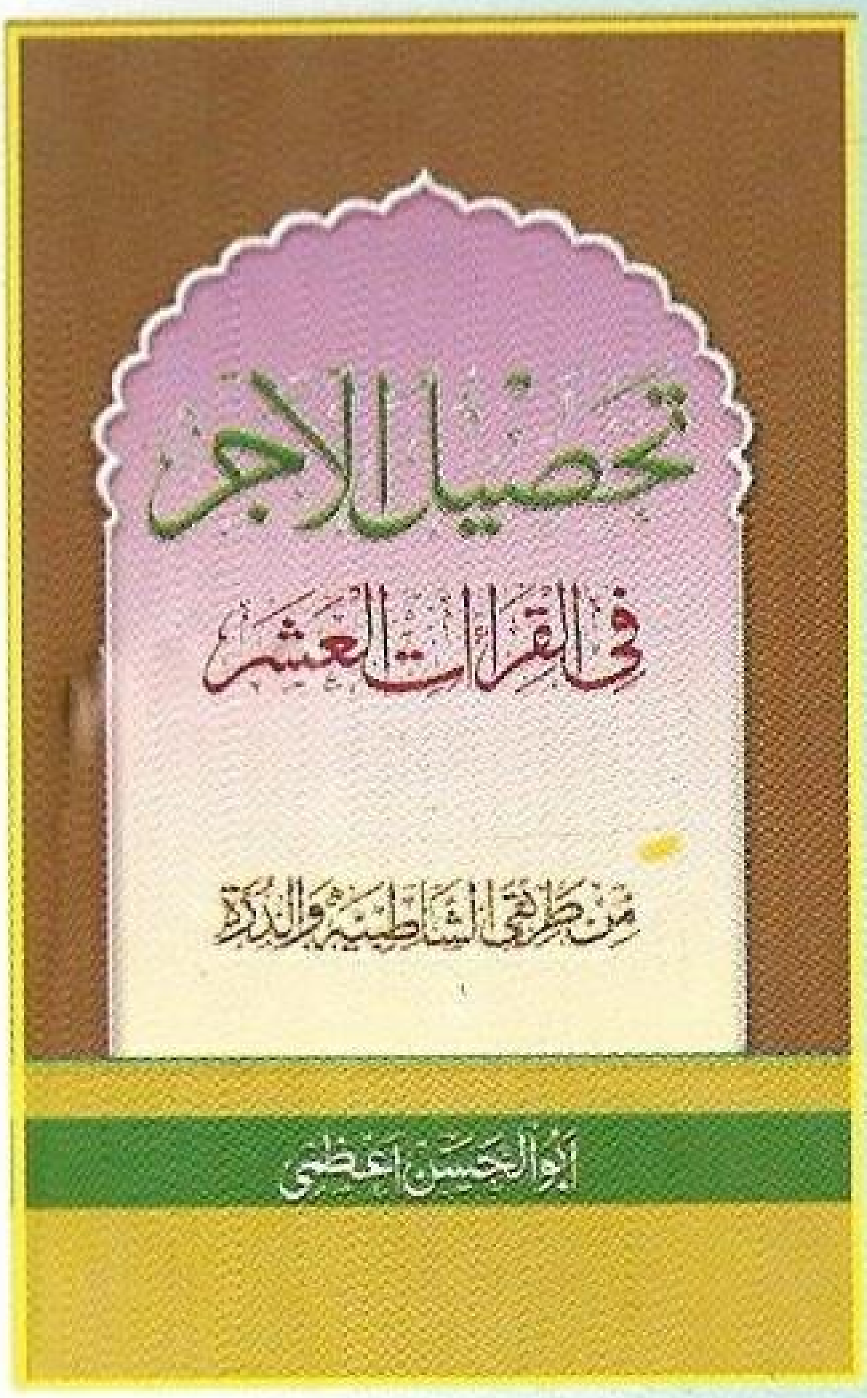

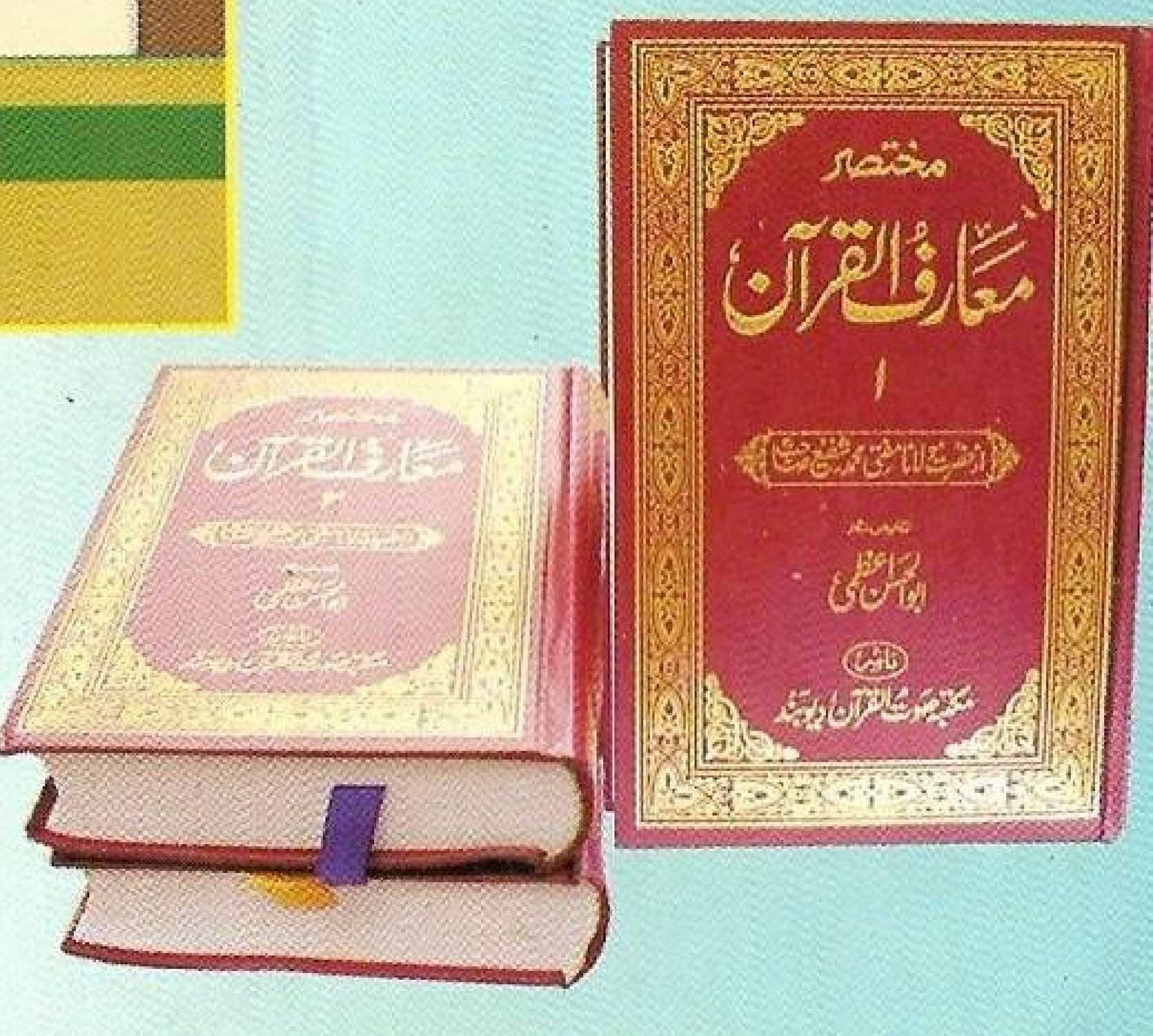

ابو الحسن اعظمی

Azeem Computers 09760704598